حضرت صاحب کچلہ اور کستوری کیوں کھاتے تھے؟ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت صاحب کونین۔ کچلہ۔ کستوری اور بادام روغن کیوں استعمال فرماتے تھے۔ ہمارے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ تو اس کا مختصر سا یہی جواب دیا کرتے تھے کہ ہمارے مذہب میں یہ چیزیں حلال ہیں۔ مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ انکو ان چیزوں کے استعمال کی بطور دوا کے ضرورت تھی۔ سب اطبّا جانتے ہیں کہ کونین۔ کچلہ اور کستوری وغیرہ مقوّی دماغ۔ مقوّی دِل اور مفرح ہیں۔ اور عصبی ضعف کے دُور کرنے کے لئے انکا استعمال کیا جاتا ہے۔ پس حضرت صاحبؑ (نعوذ باللہ) کسی دنیاوی خواہش کے لئے کچلہ اور کستوری کا استعمال نہ کرتے تھے۔ بلکہ انکی ضرورت صرف دماغی ضعف کو دُور کرنے کے لئے تھی جو کثرتِ دماغی کام کا لازمی نتیجہ تھا۔

مراق کا اصولی علاج مراق کا اصولی علاج یہ ہے کہ اصل مرض کا سبب دُور کیا جائے۔ اور مقوّی غذا دیجائے ہاضمہ درست ہے۔ اور دماغ کو آرام ملے۔ مگر یہ سب باتیں اُن کو میسّر نہ تھیں۔ حضرت صاحب کی مرض کا سبب دماغی کام تھا۔ جو وہ نہ چھوڑ سکتے تھے۔ حتّٰی کہ آپ فوت ہونے سے چند گھنٹہ پہلے تک اسی کام میں لگے رہے۔ پس جب مرض کا سبب بستر مرگ پر جاکر بھی دُور نہ ہوا۔ تو مرض کس طرح دُور ہوتا اسی طرح غذا میں باقاعدگی بھی ان کو میسّر نہ ہو سکتی تھی۔ کیونکہ یہ بے قاعدگی بھی اصل سبب یعنی کثرت کام سے وابستہ تھی پس ان میں اس علامت کا زندگی میں دُور ہونا مشکل تھا۔ لہٰذا وہ علامات دُور نہ ہوئیں

حضرت صاحبؑ کا مراق گو موروثی نہ تھا مگر منتقل ہُوا ہے۔ مَیں یہ بتا چکا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ مرض ورثہ میں نہیں ملی۔ مگر جب خاندان میں اسکی ابتدا ہو چکی تو پھر اگلی نسل میں بے شک یہ مرض منتقل ہُوا ہے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ نے فرمایا۔ کہ مجھ کو بھی کبھی کبھی مراق کا دَورہ ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ انکو مراق تیار شدہ اپنے والد صاحب سے نہیں ملا۔ بلکہ ورثہ میں صرف مراق کی طرف میلان طبع ملا تھا۔ جو کثرت دماغی کام اور غم اور فکر کی وجہ سے نمودار ہو گیا۔ اور ایسا ممکن تھا۔ کہ اگر حضرت خلیفہ ثانی پر بوجھ نہ پڑتا تو مراق کی علامات ظاہر نہ ہوتیں۔ (اس سے بھی احباب حضرت خلیفہ ثانی کی مصروفیت دماغی کام۔ قوم کی اصلاح کی فکر اور اسکی تربیت کے غم کا اندازہ لگا سکتے ہیں) الغرض مراق کسی مرض کا نام نہیں۔ بلکہ چند علامات کے مجموعہ کا نام ہے۔ جو مختلف امراض میں کئی اسباب کے ماتحت ظاہر ہوتا ہے۔ اور حضرت صاحبؑ کے ان علامات کا سبب یقیناً مرگی۔ مالیخولیا۔ ہسٹیریا نہیں تھا۔ بلکہ اس کا سبب کثرت دماغی کام اور قوم کی اصلاح کا غم اور تربیت کا فکر تھا۔ جس کا لازمی نتیجہ انتہائی دماغی ضعف تھا۔ یونانی کتب طب میں

غلطی سے اسکو مستقل مرض قرار دیا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ان علامات کا غور سے مطالعہ نہیں کیا اور مراق کے کئی اسباب میں سے صرف ایک سبب سوءِ ہضم کے ساتھ اس علامت کو خصوصیت سے وابستہ کر دیا گیا ہے۔ ہاں طب کی کتابوں میں مراق کو جو امراض نظام عصبی کے باب میں رکھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ علامت اکثر دفعہ دماغی امراض کے باعث ظاہر ہوتی ہے۔ مگر اس سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکلتا کہ یہ کوئی الگ مستقل دماغی مرض ہے۔

مراق کا صحیح انگریزی نام کاٹالیپسی ہے نہ کہ ہسٹیریا۔

میں طب جدید کے محققین کا بالعموم اور پروفیسر سیجوس کا بالخصوص مشکور ہوں۔ جن کی کتب کے مطالعہ سے عاجز کو اس پیچیدہ مرض کی اصل حقیقت کے انکشاف اور صحیح نام کے معلوم کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے دی۔ چونکہ یہ علامت بالعموم ڈاکٹروں کے مشاہدہ میں نہیں آتی۔ اس لئے بعض ڈاکٹر بھی مراق کا ترجمہ ہسٹیریا یا مالیخولیا یا مرگی کر لیتے ہیں۔ مگر ان کی واقفیت کے لئے بالخصوص اور جماعت کے احباب کے لئے بالعموم میں یہ بتا دوں کہ مراق کا صحیح انگریزی نام (CATALEPSY.) کاٹالیپسی ہے۔ نہ کہ ہسٹیریا۔ یا مالیخولیا وغیرہ۔ اور عربی میں اس کا نام جمود ہے۔

احباب دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ خاکسار کو سلسلہ کی ہر قسم کی علمی خدمت کی توفیق دے۔ اور اپنے پیشہ کو دین کا ممد بنانے کے قابل بنائے۔ آمین

نوٹ:۔ اس مضمون میں جہاں جہاں مراق کے ساتھ لفظ مرض استعمال ہوا ہے۔ وہ زبان کے عام محاورہ کے ماتحت ہے۔ نہ ان معنوں میں کہ مراق کوئی مستقل مرض ہے۔ یعنی صرف مراقی علامات کے مجموعے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

واذا الصحف نشرت

اسوقت دنیا میں ایسے پبلک کتب خانے جنمیں کم از کم ۵۰ ہزار کتابیں پائی جاتی ہیں ۱۰۴۸ ہیں ان سب میں ۱۸۱ ملین کتابیں موجود ہیں ان میں سب سے بڑا کتب خانہ پیرس کا ہے جسمیں ۳۷..... کتابیں ہیں اسکے بعد برٹش میوزیم کا کتب خانہ ہی جہاں ۳۲ لاکھ کتابیں ہیں اسکے بعد پٹروگراڈ، برلن، میونچ، اور میڈرڈ کے کتب خانے ہیں، جہاں علی الترتیب، ۳۰ لاکھ، بیس لاکھ ۱۴ ہزار، گیارہ لاکھ، ۷۷ ہزار، بارہ لاکھ اور گیارہ لاکھ ۲۵ ہزار کتابیں موجود ہیں

اسلامی طلاق میں اعتدال

امریکہ میں طلاق کی کثرت حیرتناک حد تک پہنچ چکی ہے اور جتنی طلاقیں وہاں گیارہ دن میں واقع ہوتی ہیں اتنی انگلستان میں ایک سال کے اندر بھی نہیں ہوتیں۔

وہاں طلاق کی یہ کثرت ہے کہ حساب سے ہر چار منٹ میں ایک طلاق دیجاتی ہے اور آخری دس سال کے اندر اسکی تعداد ۷۶۰۰۰۰ تک پہنچ گئی ہے اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ......۵۰ بچے خانماں برباد ہو گئے۔

انجیل کوئی کتاب نہیں ہے

(گذشتہ سے پیوستہ سلسلہ کے لئے دیکھو ریویو اپریل ۱۹۲۶ء صفحہ ۹)

ثُمَّ انْطَلَقَتْ بِهٖ خَدِيْجَةُ اِلٰى وَرَقَةَ بْنِ نَوْفَلِ بْنِ عَمِّ خَدِيْجَةَ قَالَتْ لَهٗ يَا ابْنَ عَمِّ اسْمَعْ مِنَ ابْنِ اَخِيْكَ فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ يَا ابْنَ اَخِيْ مَاذَا تَرٰى فَاَخْبَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرَ مَا رَاٰى فَقَالَ وَرَقَةُ هٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِيْ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى مُوْسٰى يَا لَيْتَنِيْ فِيْهَا جَذَعًا يَا لَيْتَنِيْ اَكُوْنُ حَيًّا اِذْ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ قَالَ نَعَمْ لَمْ يَاْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهٖ اِلَّا عُوْدِيَ وَاِنْ يُدْرِكْنِيْ يَوْمُكَ اَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ اَنْ تُوُفِّيَ۔

(مشکوٰۃ باب البعث وبدأ الوحی۔ فصل اوّل۔) ترجمہ:۔ پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہؓ بن نوفل کے پاس لے گئیں اور وہ خدیجہؓ کا چچازاد بھائی تھا۔ خدیجہؓ نے ورقہؓ کو کہا اے میرے چچا کے بیٹے سُن اپنے برادرزادے سے (یعنی نبی کریم صلعم سے) پھر ورقہؓ نے نبی کریم صلعم کو مخاطب کر کے کہا۔ اے میرے بھائی کے بیٹے تو نے کیا دیکھا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ورقہؓ کو سارا حال سُنایا جو کچھ دیکھا تھا۔ پھر ورقہؓ نے جواباً کہا یہ تو وہی الناموس ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ نبی پر اُتارا تھا۔ اسکے بعد ورقہؓ نے حسرۃ کی سانس بھر کر کہا کاش میں اس زمانہ میں نوجوان ہوتا۔ کاش میں اسوقت زندہ بھی رہتا۔ جبکہ تیری قوم تجھ کو مکّہ سے نکال دیگی۔ اسپر نبی کریم صلعم نے کہا کہ کیا میری قوم مجھ کو نکال دیگی؟ ورقہؓ نے کہا ہاں۔ کیونکہ جب بھی کوئی آدمی تیری طرح الہام وحی لایا ہے تو اسکے ساتھ عداوت و دشمنی کی گئی ہے۔ اور اگر تیرا زمانہ مجھ کو حاصل ہوتا تو میں تیری مدد کرتا۔ یعنی وہ زمانہ جبکہ نبوّت کا پورا پورا ظہور ہو اور لوگوں کی مخالفت بڑھ جاوے۔ پھر کم ہی زمانہ گذرا کہ ورقہؓ وفات پا گیا۔

حدیث کے جو الفاظ اوپر نقل کیئے گئے ہیں یہ مشکوٰۃ سے نقل کیئے گئے ہیں۔ اور جو الفاظ خاص بخاری میں ہیں وہ اس مضمون پر زیادہ روشنی ڈالتے ہیں۔ چونکہ میں اسوقت سفر میں ہوں میرے پاس بخاری نہیں ہے اگر کوئی صاحب دیکھنا چاہے تو بخاری کے شروع میں اس حدیث کو دیکھ لے۔ بخاری کی حدیث کے اخیر میں جناب امام صاحب فرماتے ہیں کہ ورقہ بن نوفل چونکہ شام کے

علاقہ میں تجارت کے لئے جایا کرتا تھا اور شام میں عیسائی اور یہودی رہتے تھے لہٰذا ورقہ عیسائیوں کی تبلیغ سے متأثر ہو کر مکے والوں کا مذہب چھوڑ کر عیسائی مذہب میں داخل ہو گیا تھا۔ اور مکّے میں عیسائیت کی تبلیغ کیا کرتا تھا۔ اور انجیل عبرانی سے عربی میں ترجمہ کر کے مکے والوں کو سنایا کرتا تھا۔

پھر مشکوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی کے آخر میں ایک رسالہ اسماء الرجال ہے۔ اسکے صفحہ ۳۷ پر اسی ورقہ کا حال مختصراً لکھا ہوا ہے۔ اور وہ یہ ہے هُوَ وَرَقَةُ بْنُ نَوْفَلِ بْنِ اَسَدٍ الْقُرَشِيُّ كَانَ تَنَصَّرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَقَرَءَ الْكِتَابَ وَكَانَ شَيْخًا كَبِيرًا قَدْ عَمِيَ وَهُوَ اِبْنُ عَمِّ خَدِيجَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ ترجمہ:۔ وہ ورقہ بن نوفل بن اسد القرشی عیسائی ہو گیا تھا اسلام کے زمانہ سے پہلے۔ اور الکتاب یعنی تورات پڑھا کرتا تھا۔ اور وہ بہت بوڑھا ہو گیا۔ اور اندھا۔ اور وہ خدیجہ ام المؤمنین کا چچا زاد بھائی تھا۔

پس ان دو نو حوالوں سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ ورقہ کا مذہب عیسائی تھا۔ اب ہم لفظ الناموس کی مختصر تشریح کرتے ہیں۔ کاش میرے پاس سب کتابیں ہوتیں تو اس لفظ پر پوری پوری بحث کیجاتی اسکی پوری تشریح دیکھنی ہو تو مندرجہ ذیل کتب دیکھیں نہایۃ ابن اثیر۔ مجمع البحار امام محمد طاہر۔ الفائق علامہ زمخشری وغیرہ اور بعض شروح بخاری میں میرے پاس اسوقت ایک چھوٹی لغت کی کتاب منجد ہے اس میں لکھا ہے الناموس ء الوحی۔ الشریعت۔ الناموس الاکبر ء جبریل۔ یعنی الناموس کے معنی وحی۔ اور شریعت کے ہیں۔ اور الناموس الاکبر سے مراد جبریل ہے۔ اور دوسری کتابوں میں لکھا ہے کہ الناموس کے معنی وہ فرشتہ ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے نبیوں پر شریعت لاتا ہے یا شریعت کی کتاب مراد ہے۔

حدیث کے مذکورہ بالا الفاظ ایک لمبی حدیث کا ٹکڑہ ہے۔ چونکہ یہاں ساری حدیث نقل کرنیکی ضرورت نہیں تھی۔ لہٰذا مطلوبہ حصّہ نقل کر دیا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ورقہ ان پیشگوئیوں پر بھی عبور رکھتا تھا جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں توریت انجیل میں تھیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ وہ کہتا ہے کہ کاش میں زندہ ہوتا جب تیری قوم تجھ کو مکے سے نکال دیگی۔ گویا اسوقت پورا علم تھا۔ کہ میں اسوقت زندہ نہیں ہونگا۔ اور اس نبی کو اسکی قوم مکّہ سے نکالیگی۔

استدلال۔ ورقہ باوجود اسکے کہ وہ پکّا عیسائی ہے۔ عیسیٰ ابن اللہ کا عاشق ہے۔ انجیل کا ترجمہ کر کے مکے والوں کو سناتا ہے۔ تبلیغ کرتا رہتا ہے۔ لیکن کہتا کیا ہے؟ یہ نہیں کہتا کہ وہی الناموس

یعنی شریعت لانے والا فرشتہ یا شریعت ہے جو عیسیٰ پر نازل ہوئی۔ بلکہ وہ کہتا ہے کہ یہ وہی شریعت ہے یعنی اسی طرح کی شریعت ہے جو موسیٰ پر اللہ نے نازل کی تھی۔ پس معلوم ہوا۔ کہ انجیل کوئی کتاب نہیں ہے یعنی شریعت نہیں ہے۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ حدیث اور خاص کر کے امام بخاری صاحب اس بات کے قائل تھے کہ عیسیٰ صاحب کتاب نبی نہیں تھا۔

مولوی وحید زمان حیدر آبادی نے جو بخاری کا ترجمہ کیا ہے تو انہوں نے بھی اس حدیث پر ایک نوٹ لکھا ہے۔ جسکے لفظ مجھ کو بعینہٖ یاد نہیں ہیں۔ ہاں یہ معلوم ہے کہ وہ بھی عیسیٰؑ کو صاحب کتاب نبی نہیں مانتے۔ اس مضمون کے متعلق بہت سی احادیث اور اقوال مفسرین مجھ کو معلوم ہیں۔ مگر وہ کتابیں میرے پاس موجود نہیں۔ کیونکہ مَیں سفر میں ہوں۔ اگر کسی صاحب کو وہ حوالے دیکھنے کا شوق ہو۔ تو سورۃ المائدہ کی آیت انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدًی و نور یحکم بھا النبیون الخ کے زیر تفاسیر کو دیکھے۔ مثلاً تفسیر کبیر فخر الدین رازی۔ درالمنثور وغیرہ۔

مجمع البیان ایک تفسیر ہے اس میں حضرت امام جعفر صادقؒ کا قول ہے آپ فرماتے ہیں:۔ اُنزل علیه الانجیلُ فیه مَوَاعِظُ و امثالٌ و لیس فیه قصاصٌ و لا احکامُ حدودٍ و لا فرضُ مَوَارِیْث۔ ترجمہ:۔ عیسیٰؑ پر انجیل اُتاری گئی اس میں کچھ عبرت دلانے والی باتیں ہیں۔ اور کچھ مثالیں ہیں۔ اور بدلہ لینے اور سزائیں اور وراثت کے احکام اسمیں نہیں ہیں یعنی شریعت نہیں ہے۔

اب انجیل کی اندرونی شہادت پیش کرتا ہوں۔ انجیل خود اقراری ہے کہ اس میں شریعت نہیں ہے چنانچہ لکھا ہے۔ "یہ نہ سمجھو کہ مَیں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل[1] نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلیگا۔ جب تک سب کچھ پورا[2] نہ ہو جائے۔ پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑیگا۔ اور یہی آدمیوں کو سکھائیگا۔ اور آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائیگا۔ لیکن جو انپر عمل کریگا اور ان کی تعلیم دیگا وہ آسمان کی بادشاہت میں

حاشیہ[1]۔ یعنی جب تک آخر زمان نبی کی شریعت قرآن کا زمانہ نہ آئے۔:

حاشیہ[2]۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے بھی حلال وحرام کے حکم دیئے تھے۔ وہ اس حوالہ پر خوب غور کریں۔

بڑا کہلائیگا۔ کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تمہاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں کی راستبازی سے زیادہ نہ ہوگی تو تم آسمان کی بادشاہت میں ہرگز داخل نہ ہوگے"۔ متی ۵/۱۷ تا ۲۰

پھر لکھا ہے کہ "تم اپنی روائیت کے ماننے کے لئے خدا کے حکم کو کیا خوب باطل کرتے ہو۔ کیونکہ موسیٰ نے فرمایا ہے کہ اپنے باپ کی اور اپنی ماں کی عزت کر اور جو کوئی باپ اور ماں کو بُرا کہے وہ ضرور جان سے مارا جائے۔ لیکن تم کہتے ہو اگر کوئی باپ یا ماں سے کہے کہ جس چیز کا تجھے مجھ سے فائدہ پہنچ سکتا تھا وہ قربان یعنی خدا کی نذر ہو چکی تو تم اُسے پھر باپ یا ماں کی کچھ مدد کرنے نہیں دیتے"۔ مرقس ۷/۱۰ تا ۱۳

پھر لکھا ہے کہ "اس لئے کہ شریعت موسیٰ کی معرفت دی گئی مگر فضل اور سچائی یسوع مسیح کی معرفت پہنچی"۔ یوحنا ۱/۱۷-۱۸

پھر لکھا ہے کہ "کیا موسیٰ نے تمہیں شریعت نہیں دی۔ تو بھی تم میں سے شریعت پر کوئی عمل نہیں کرتا۔ تم کیوں میرے قتل کی کوشش میں ہو"۔ یوحنا ۷/۱۹

پھر لکھا ہے کہ "مگر فریسیوں کے فرقے میں سے جو ایمان لائے تھے۔ ان میں سے بعض نے اُٹھ کر کہا کہ اُنکا ختنہ کرانا اور انکو موسیٰ کی شریعت پر عمل کرنے کا حکم دینا ضرور ہے"۔ اعمال ۱۵/۵

اِس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو نئے عیسائیت میں داخل ہوں انکو شریعت موسیٰ پر چلانا ضروری ہے۔ مذکورہ بالا حوالجات کی تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔ اُردو عبارت ہر ایک سمجھ سکتا ہے۔ (باقی آیندہ) والسّلام

اللہ تعالیٰ قدیم سے خالق ہے

چکاگو یونیورسٹی کے پروفیسر مسٹر مولٹن نے زمین کے فنا ہونے کا زمانہ ۹۹۹۹.......۱۰۰۰ سال مقرر کیا ہے اس کا بیان ہے کہ زمین کی موجودہ عمر ایک ارب سال کی ہے اور اوسط عمر ایسے کروں کی ایک پدم سال ہوا کرتی ہے اس لئے اس میں سے جب ایک ارب سال گھٹا دیئے جائینگے تو وہ ہی مدت متعین ہوگی جو اوپر ظاہر کی گئی ہے۔ جب یہ زمانہ ختم ہو جائیگا تو آفتاب اسقدر قریب آجائیگا کہ زمین پگھل جائے گی ✧

واذا النفوس زوّجت

لنڈن اور نیویارک کے درمیان لاسلکی ٹیلی فون قائم کرنیکی تجویز عرصہ سے زیرِ غور تھی لیکن اب وہ تکمیل کو پہنچ گئی ہے، چنانچہ ۷ مارچ ۱۹۲۶ء کو اسکا امتحان کیا گیا اور نیویارک کے تمام افسران ٹیلی فون نمائندگان اخبار جمع ہوئے اور لنڈن سے پیغام موصول ہوا۔ آواز نہایت صاف تھی اور بغیر کسی تردد کے سنائی دیتی تھی۔ اسی طرح نیویارک کی آواز لنڈن میں باسانی سنی گئی۔ دیر تک گفتگو کرنیکے بعد لنڈن پیام رساں نے کہا کہ اب میں کھڑکی کھولتا ہوں تاکہ لنڈن کے سینٹ پال گرجا کے گھنٹے کی آواز نیویارک تک پہنچ سکے چنانچہ اس پر عمل کیا گیا اور لنڈن کے گرجا کے گھنٹے کی آواز

محاسن اسلام

معزز ناظرین! انسانی ہمدردی ہمیں مجبور کرتی ہے اور مذہب ہمارے لئے یہ فرض قرار دیتا ہے کہ ہم لوگوں کے سامنے اُس مذہب کو پیش کریں جو بوجہ اسکے کہ وہ عظیم الشان اور دلکش خوبیوں کا جامع ہے اس قابل ہے کہ اُسکی طرف توجہ کیجائے اور اُس حق کو قبول کیا جائے خواہ اُسکے حصول کے لئے ہزاروں تعلقات کو قربان کرنا پڑے اور اُس چشمہ سے سیراب ہونے کے لئے تمام حجابوں اور پردوں کو چاک کرنا پڑے کیونکہ وہ تمام انسانوں کے محبوب ترین مالک اور شہنشاہ ارض و سما کے دربار تک پہنچنے کے لئے ایک آخری دروازہ ہے کہ جس میں سے انسان داخل ہو کر اس دنیا میں اسکے حُسن و جمال کا مشاہدہ کرتا اور اُسکے جلال کا معائنہ کر لیتا ہے پھر نیک اور سلیم الفطرت انسان کے لئے تو دنیا میں راستی سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب اور عزیز نہیں ہو سکتی ہے۔

پیارے ناظرین! اسلام بوجہ اپنی ذاتی بے نظیر اور دل فریب خوبیوں کے اس بات کا محتاج نہیں کہ وہ ضرور غیروں کے معائب اور نقائص پر نکتہ چینی کی نظر ڈالے۔ اس لئے میں بھی اسکی لا انتہا خوبیوں میں سے بطور نمونہ کے چند ایک خوبیوں کے پیش کرنے پر اکتفا کرونگا جو ساتھ ہی اس بات کا نہایت زبردست اور کامل و مکمل ثبوت ہونگی کہ صرف اسلام ہی ایک کامل و افضل مذہب ہے۔

پہلی خوبی اسلام میں یہ ہے کہ اُسکی تعلیم صحیح فطرت کے مطابق ہے اُسکے تمام عقائد اور احکام اور تمام اصول وہی ہیں جو پہلے سے فطرت انسانی میں منقوش ہیں چنانچہ قرآن کریم اپنی یہ خوبی بدیں الفاظ پیش کرتا ہے۔ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ کہ قرآن کریم جو تمام خوبیوں کا جامع ہے کوئی نئی چیز نہیں بلکہ جو کچھ فطرت اور صحیفہ قدرت میں بھرا پڑا ہے اُسی کو یاد دلاتا ہے مثلاً انسان اللہ تعالیٰ کی ہستی کے متعلق کہ جس پر تمام عقائد کی بنیاد ہے صحیفہ قدرت سے دلائل چاہتا ہے اور اس صحیح اور جائز تقاضا کے مطابق نظام عالم اور زمین و آسمان کی پیدائش کو خدا تعالیٰ کی ہستی کی دلیل میں پیش کرتا ہے جیسا کہ قرآن کریم بتاتا ہے:۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۔ یعنی عقلمند اور صحیح الفطرت انسانوں کے لئے آسمان و زمین کی بناوٹ اور رات دن کے اختلاف میں خدا تعالیٰ کی ہستی کے متعلق بہت سے دلائل موجود ہیں وہ نظام عالم پر غور کر کے اس صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ اس عظیم ابلغ اور محکم نظام کے پیچھے ایک علیم اور مقتدر ہستی کام کر رہی ہے۔

اسی طرح دوسری دلیل ہستی باری پر خود انسان کی فطرت پیش کی ہے جو بہت سے گناہوں پر انسان کو ملامت اور اُسکے دل میں ایک خوف پیدا کرتی ہے۔ مثلاً زنا۔ چوری پر انسان کا دل ملامت کرتا اور جھوٹ کو ہر انسان بُرا جانتا ہے پس اس کا بعض جرائم پر ملامت کرنا اور بعض گناہوں سے نفرت کرنا بتلاتا ہے کہ کوئی اور مخفی طاقتور ہستی ہے جس کا رُعب اسکے دل پر طاری ہے اور اُسکی حکومت کو اسکی فطرت محسوس کر رہی ہے گو وہ زبان سے انکار کرے۔ پھر انسانی فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ خدا تعالیٰ ایک ایسی کامل ذات ہو کہ اسکا کوئی شریک ہو اور اسکی صفات بھی کامل ہوں۔ فطرت انسانی کبھی نہیں پسند کرتی کہ خدا ایک کمزور اور نقائص سے بھری ہوئی ذات ہو یا اسکے بہت سے خدا ہوں جن کے آگے یہ اپنی گردن جھکائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس صحیح فطرتی تقاضا کو بھی صرف اسلام ہی پورا کرتا ہے کیونکہ صرف اسلام ہی خدا کو واحد لاشریک اور تمام خوبیوں کا مالک پیش کرتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں سب سے پہلے خدا تعالیٰ کے متعلق یہ تعلیم ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اُس خدائے ربّ العالمین کے لئے ہی تمام خوبیاں ہیں دنیا میں جسقدر خوبیاں نظر آتی ہیں ان سب کا مبدأ خدا تعالیٰ کی ذات مستجمع صفات کاملہ ہے۔ پھر فرماتا ہے:۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ اُسکے سوا اور کوئی ہستی قابل عبادت نہیں۔ کیونکہ وہی اپنی ذات میں زندہ اور تمام موجودات کی زندگی اور بقاء کا موجب ہے۔

دوسری خوبی مذہب بالشان اسلام کی یہ ہے کہ اُس کی تعلیم ہر ایک امر میں افراط و تفریط سے پاک اور منزہ ہے مثلاً نہ تو وہ اللہ تعالیٰ کی صفت غضب اور انتقام پر زیادہ زور دیتا ہے۔ اور نہ اُس کی صفت محبت عفو و رحم کو زیادہ زور سے پیش کرتا ہے ہر موقعہ اور محل کے مطابق اُسکی تمام صفات کو پیش کرتا ہے جبکہ بعض مذاہب نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا نہایت بھیانک نقشہ کھینچا ہے جس کی وجہ سے وہ طبائع جو محبت اور احسان سے گرویدہ ہو کر اُسکی طرف متوجہ ہو سکتی تھیں خدا تعالیٰ سے متنفر ہو کر اور اسکے رحم و عفو سے مایوس ہو کر گناہوں میں زیادہ دلیر ہو جائینگی اور بعض مذاہب نے اُس کے صرف عفو و رحم کو پیش کیا ہے جس کا یہ نتیجہ ہے کہ خوف سے اصلاح پانیوالی طبائع اُسکے عفو و رحم کی اسقدر متوقع ہو جاتی ہیں کہ وہ اُس بیجا اور حد سے زیادہ توقع کی وجہ سے گناہوں میں نہایت بیباک ہو جاتی ہیں لیکن اسلام اس تفریط و افراط سے محفوظ ہے وہ کبھی کسی ایک طرف کو نہیں جھک جاتا۔

اسی طرح تمام اعمال میں میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے جیسا کہ مسلمانوں کو بدیں الفاظ اعتدال کی تعلیم دیتا ہے وَجَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا کہ ہم نے تم کو ایک ایسی قوم بنایا ہے کہ جو تمام اعمال میں میانہ روی اختیار کرتی ہے اور کسی عمل میں حدِ اعتدال سے تجاوز نہیں کرتی اسی طرح بانی اسلام

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا کہ سب سے بہتر اور اعلیٰ وہ کام ہیں جن میں میانہ روی اور اعتدال ہو۔ غرض تمام عبادات حتّٰی کہ خورد و نوش تک میں اعتدال کو مدنظر رکھا ہے نہ تو صرف عبادات پر ہی زور دیا ہے۔ بلکہ عبادات میں اپنا تمام وقت صرف کرنے اور دماغ و جسم اور اخلاق کو نقصان پہنچانے والی تمام مشقتوں سے منع فرمایا ہے جیسا کہ حضرت نبی کریم صلعم فرماتے ہیں:۔ لَا رَھْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ کہ اسلام میں رہبانیت جائز نہیں۔ اور نہ ہی ہر وقت لذّات نفسانی اور حظوظ شہوانی میں مشغول رہنے پر زور دیا اور بیجا آزادی اور اباحت کا دروازہ کھولدیا ہے جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے:۔ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا کہ بیشک کھاؤ اور پیو لیکن بالکل خورد و نوش اور لذّات کے پورا کرنے کو ہی حقیقی مقصد قرار نہ دو بلکہ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا پاکیزہ غذاؤں کے استعمال میں بھی تمہارا یہی مقصد ہو کہ تم اعمال صالحہ بجالاؤ اعلیٰ سے اعلیٰ دماغی اور اخلاقی و روحانی ترقیات حاصل کرو اور اپنی تمام طاقتوں کو صحیح موقعہ و محل پر اعتدال کے ساتھ استعمال کرو +

تیسری خوبی:۔ تیسری بے نظیر خوبی اسلام میں یہ ہے کہ وہ اپنے ہر ایک دعویٰ کے ساتھ قوی اور تسلّی بخش دلائل بھی خود ہی پیش کرتا ہے اور تمام عقائد صحیحہ اور دعاوی صادقہ کی بنیاد نہایت محکم اور قوی و عام فہم دلائل پر رکھتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم بڑے زور اور صراحت کے ساتھ اپنے اس پر زور دعویٰ کا اعلان کرتا ہے کہ وہ خداتعالیٰ کی طرف سے ہے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خداتعالیٰ کے سچے رسول ہیں چنانچہ ان آیات میں یہ عظیم الشان دعویٰ پیش کرتا ہے:۔ الٓمٓ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قابل پرستش نہیں وہ نہ صرف زندہ بلکہ تمام کائنات کی بقاء اور حیات کا موجب ہے ایسے خدائے برتر نے تجھ پر یہ کامل کتاب اُتاری ہے۔

اسی طرح اے تمام لوگو تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے برہان آچکا ہے اور تمہاری طرف ایک کھلا نور نازل کیا ہے۔

پس یہ خوبی صرف قرآن کریم کو ہی حاصل ہے کہ وہ نہ صرف اپنے دعویٰ کو ہی ان عمدہ اور دلپسند الفاظ میں پیش کرتا ہے بلکہ اس دعویٰ کو زبردست معقول دلائل کے ساتھ ثابت اور اپنی صداقت کا آپ اقرار کرا لیتا ہے چنانچہ ایک دلیل اپنی اور محمد رسول اللہ صلعم کی صداقت میں یہ پیش کرتا ہے:۔ ظَھَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کہ قرآن کریم اُسوقت تمام دنیا کی کامل اصلاح کے لئے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے جبکہ تمام دنیا کی اخلاقی و روحانی اور اعتقادی و عملی

حالت بالکل بگڑ چکی تھی اور تمام زمین ہر قسم کے گناہوں اور فسق و فجور سے بھر گئی تھی اور بدکاریوں میں کمال حاصل کر چکی تھی اور ہر ایک بدی اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچ چکی تھی اور نہ صرف قرآن کریم نے اپنے زمانہ نزول میں دنیا کی اس حالت کا ان مختصر اور جامع الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے بلکہ اُسکے اس بیان کے ساتھ دنیا کی تمام تواریخ یک زبان ہو کر اتفاق کرتی اور خود قوموں کے اپنے اقرار اُن تاریخوں میں موجود ہیں پس قرآن کریم اور حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک زبردست ثبوت یہ بھی ہے کہ وہ اُسوقت دنیا میں بھیجے گئے جبکہ دنیا کا فساد عظیم بزبان حال ایک عظیم القدر مصلح ربّانی اور ایک کامل الہامی قانون کے لئے فریاد پر فریاد کر رہا تھا اور زمانہ ایک مصلح عظیم کو پکار رہا تھا۔ پھر قرآن کریم کے نزول کے وقت اُس کا نازل کنندہ خدا دنیا کو بشارت دیتا ہے کہ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِہَا کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ ہم اب زمین کو زندہ اور کامل کتاب قرآن کریم اور زندہ کامل نبی کے ذریعہ سے زندہ و سر سبز و شاداب کر دینگے بعد اسکے کہ وہ بالکل مُردہ ہو چکی تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں اور تمام تاریخدان دنیا جانتی ہے کہ کس طرح قرآن کریم اور حضرت نبی کریم صلعم کے ذریعہ سے ایک نہایت ہی قلیل عرصہ کے اندر ملک عرب کی کایا پلٹ گئی اور حیرت انگیز انقلاب پیدا ہو گیا۔

اسلام نے اپنے پہلے ہی مخاطبین کے اندر تعجب انگیز تبدیلیاں پیدا کر دیں انکو وحشی سے انسان اور انسان سے با اخلاق اور با اخلاق سے باخدا بنا دیا۔ ملک جہالت کی جگہ علم کے نور سے منوّر ہونے لگا شرک و بت پرستی کی بجائے توحید کا جھنڈا لہرانے لگا۔ بدکاری اور فسق و فجور کی جگہ نیکی اور پاکیزگی نے لے لی۔ اور درندہ خصلت انسان نیک و پاکیزہ اخلاق سے متّصف ہو گئے۔ چنانچہ اس زمانہ میں حضرت مرزا صاحب علیہ السلام نے عرب کی حالت جو قبل از بعثت تھی اور پھر جو آپؐ کی بعثت کے بعد حالت ہو گئی۔ اس کا نقشہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کھینچا ہے :۔

"آپؐ نے ان عربوں کو ایک ایسی قوم پایا جو ذِلّت میں گوبر کی مانند تھی پس آپؐ نے انکو خالص سونے کی طرح ایسا بنا دیا کہ عرب کا خشک جنگل ایسے باغ کی طرح ہو گیا جسکے گھاٹ شیریں اور شاخیں پھلدار ہیں۔ ملک عرب قحط اور خسران کے بعد آپؐ کی پُر اثر تربیت کے ماتحت تر و تازگی کی طرف لوٹا۔

حجاز کا علاقہ عورتوں کے ساتھ راگ رنگ میں مشغول رہتا تھا لیکن آپؐ نے اُن کو رحمٰن خدا میں فنا ہونے والے بنا دیا۔ شراب کے مشکوں اور دُکانوں کو ویران کر دیا اور اسکے کارخانوں کو شہر سے دُور کر دیا۔ وہ لوگ کسقدر شراب سے لبریز مشکوں کو منہ لگا کر ایک ہی دفعہ پی جاتے تھے اور نشہ خمر میں ہر وقت مست رہتے تھے۔ لیکن آپؐ نے انہیں دین میں میخواروں کی طرح کر دیا۔ وہ کسقدر سارنگیوں

سے باتیں کرنے والے اور اُنکو بچانے والے تھے جو آپ کے ذریعہ رحمٰن خدا کے ہمکلام بن گئے۔"

چوتھی خوبی:- چوتھی عظیم الشان خوبی اسلام کی یہ ہے۔ کہ اُس کی تعلیم کسی خاص قوم یا خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ کیونکہ اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے یعنی وہ تمام قوموں اور تمام انسانوں کا ایک جیسا ہی خدا ہے کسی خاص قوم کا خدا نہیں اور نہ وہ کسی خاص ملک کا خدا ہے۔

یہ وہ خوبی ہے کہ جس میں اسلام تمام مذاہب سے ممتاز ہو جاتا ہے یہ امتیازی خصوصیت اور خاص فضیلت صرف اسلام کو ہی حاصل ہے۔ چنانچہ قرآن کریم اپنے عالمگیر ہونے کے متعلق دعویٰ پیش کرتا ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ کہ مذہب اسلام ہم نے کامل کر کے بھیجا ہے اور اس ذریعہ سے دین کی نعمت آج پوری کر دی ہے اسمیں تمام ضروریات دین کو بسط اور تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے اور یہ ہر زمانہ کے ہر انسان کے لئے کامل و بہترین ہدایت نامہ اور مفید ترین قانون ہے کہ جسپر ہر شخص بآسانی عمل کر سکتا اور اُسپر چلنے والا انسان نہ صرف اعلیٰ اخلاقی اور تمدنی ترقیات کے بلند مینار پر ہی کھڑا ہوتا بلکہ اُسکے لا انتہا ترقیات کا دروازہ کھلا ہے اور اُسکی تمام شاخوں کو سیراب کرتا اور تمام دنیا کی اصلاح کرتا ہے۔ چنانچہ اسلام نے اس کا عملی ثبوت دیا کہ نہایت قلیل عرصہ کے اندر معجزانہ قوت اور خارق عادت سرعت کے ساتھ گرد و نواح کی اقوام میں پھیلنا شروع ہو گیا اور ایک اژدہا کی طرح تمام مذاہب کو نگلنے لگا۔

تھوڑے ہی زمانہ میں دنیا کی ممتاز فاتح اور معلّم بن گئیں چنانچہ یورپ ایک مشہور مؤرخ یوں رقمطراز ہے کہ قرآن ایک ہی کتاب تھی جس کی مدد سے:۔

عربوں نے سکندر اعظم سے زیادہ ممالک فتح کئے اور صدیوں میں وہ فتوحات حاصل کیں جنکے حصول کے لئے زبردست سے زبردست سلطنتوں کو بھی ہزاروں سال لگتے جسکی مدد سے مسلمان برخلاف دیگر قحطانی قوموں کے یورپ میں بحیثیت بادشاہ آئے جہاں رومی بحیثیت تاجر اور یہودی قیدی بنکر آئے ہاں وہ مسلمان ایسے آئے کہ ان تباہ گردوں کو انسانیت کی مشعل دکھائیں صرف انہی لوگوں نے جبکہ تاریکی چاروں طرف محیط تھی قدیم یونانی علم و دانش کو زندہ کیا فلسفہ طب فلکیات اور موسیقی کے سنہری علوم کی تعلیم مشرق و مغرب دونو کو دی۔ عرب زمانہ حال کے سائنس کے گھوڑے پر سوار تھے قدیم مسلمانوں کے احسانات سے تمام دنیا کی گردن خم تھی اسلام اور مسلمانوں کے بغیر یورپ آج بھی ازمنہ متوسطہ میں غوطے کھاتا ہوتا (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)

آج اس زمانہ میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا باوجود مخالفت کے حیرت انگیز سرعت کے ساتھ اسلام کی طرف پلٹا کھا رہی اور اپنے آپ کو اسلام کے اٹل و مبارک اصول پر چلنے کے لئے مجبور دیکھ رہی ہے مثلاً شراب کی حرمت۔ تعدد ازدواج۔ طلاق۔ پردہ وغیرہ بعض اسلامی مسائل مغربی دنیا میں بھی قبولیت حاصل کر رہے ہیں اسی طرح مسئلہ چھوت چھات شادی بیوگان اسلام کی مخالف قومیں بھی اپنی قومی بہبودی اور ترقی کے لئے ضروری خیال کر رہی ہیں ÷ (باقی دارد)

عبادت اسلام بمقابلہ دیگر مذاہب

(نمبر۲)

{مئی ۱۹۲۶ء میں ایک مضمون مولانا عبدالرحیم صاحب درد کا چھپا تھا جس میں غیر مذاہب کے طرق عبادت دکھلائے گئے تھے۔ اب آگے مقابل میں اسلامی طریق عبادت پیش کیا جاتا ہے (ایڈیٹر)}

غیر مذاہب کے طرق عبادت اور انکے نقائص کے بیان کر دینے کے بعد میں انکا اسلام کے ساتھ مقابلہ کرتا ہوں اور اس میں دکھاؤنگا کہ جو خوبیاں اسلام کے طریق عبادت میں پائی جاتی ہیں وہ کسی دوسرے میں موجود نہیں۔ اور ان کے متعلق جیسا کہ میں پہلے بیان کر آیا ہوں دو طرح سے بحث ہو سکتی ہے۔ ایک تو یہ کہ کامل عبودیت کا اظہار کونسے طریق سے ہو سکتا ہے اور دوسرے یہ کہ کونسے طریق پر چلکر انسان کامل عبد بن سکتا ہے۔ پہلے میں اوّل الذکر کو لونگا اور وہ تین طرح سے :-

۱۔ طریق عبادت کا مقابلہ بلحاظ اوقات۔

۲۔ طریق عبادت کا مقابلہ بلحاظ حرکات۔

۳۔ طریق عبادت کا مقابلہ بلحاظ الفاظ

مقابلہ بلحاظ اوقات

اسکے متعلق دو سوال ہیں۔ کتنا وقت دینا چاہیئے اور کس طرح دینا چاہیئے۔

اوقات کے معاملہ میں بہت ہی افراط تفریط سے کام لیا گیا ہے۔ EPICURIUS نے تو کہدیا کہ کھاؤ پیو مزے اڑاؤ کیونکہ کل ہم نے مرجانا ہے عبادت وغیرہ کی ضرورت ہی نہیں۔ دوسری طرف سنیاسیوں نے دیکھا کہ دنیا ہمیں خدا سے دور لیجانا چاہتی ہے اور ہم کمزور ہیں اس لئے چلو دنیا

کو چھوڑ دو اور جنگلوں میں بسیرا کر لو تاکہ اپنے خدا سے تعلق مضبوط کر سکیں۔ دونو نے غلطی کی۔ ایک تو خدا کی طرف سے گیا اور دوسرا دنیا کی طرف سے۔ ایک نے خدا کو نہ پہچانا اور دوسرے نے دنیا کی قدر نہ معلوم کی۔ ایک نے اپنے خالق و مالک کا منشاء نہ سمجھا اور روگردانی کر لی۔ دوسرے نے اپنے خالق و مالک کے فعل کو عبث قرار دیا اور رہبانیت اختیار کر لی۔ پس نہ تو یہ ہو سکتا ہے کہ عبادت کیلئے کوئی وقت ہی نہ رکھا جائے اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ انسان دنیا کو چھوڑ چھاڑ کر جنگلوں میں جا کر عبادت ہی اپنا شیوہ بنا لیوے۔ ضروری ہے کہ ان دونو حدود کے بین بین کوئی ایسا رستہ تلاش کیا جائے جس سے دونو اغراض احسن طرز پر پوری ہو سکیں نہ تو دنیا کے کام ہی رکیں اور نہ خدا تعالیٰ کی طرف سے روگردانی ہو ٭

اسکے بعد اب ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ ہمارے پاس وقت ہے کتنا جس کی کو تقسیم کرنی ہے سو اس کے لئے ہم دیکھتے ہیں کہ دن اور رات کے چوبیس ۲۴ گھنٹے ہوتے ہیں۔ لیکن اسی میں سے نیند کا وقت ایسا ہے کہ جو شمار نہ ہونا چاہیئے۔ ڈاکٹروں نے جوان اور تندرست آدمی کے لئے چھ ۶ گھنٹے کا سونا لازمی قرار دیا ہے۔ کم عمر اور بوڑھوں کے لئے آٹھ۔ دس یا بارہ گھنٹہ وقت رکھا ہے۔ اگر اوسط نکال لیجاوے تو قریباً ۹ گھنٹہ کا وقت ہمیں چوبیس ۲۴ گھنٹہ میں سے نکال دینا چاہیئے۔ گویا اسطرح ہمارے پاس صرف پندرہ ۱۵ گھنٹہ رہ گئے۔ دوسری اتنی ہی ضروری چیز معاش ہے۔ جیسے نیند انسان کیلئے ہر حال میں ضروری ہے ایسا ہی کھانا پینا وغیرہ روزی کا سامان نہایت ضروری ہے اس لئے جو وقت اس کام میں لگے وہ بھی نکال دینا چاہیئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دفتروں کا وقت عام طور پر چھ ۶ گھنٹہ ہوتا ہے اور مزدوری کرنے والوں کا قریباً بارہ ۱۲۔ اگر یہاں بھی اوسط نکالی جائے تو ۹ گھنٹہ ہی بنتے ہیں۔ تو گویا یہ وقت نکال کر ہمارے پاس صرف چھ ۶ گھنٹہ باقی بچتے ہیں۔ اب اس وقت میں سے ہم نے ایک ایسی مقدار عبادت کیلئے نکالنی ہے کہ جو مناسب ہو۔ انسان پر دو قسم کے حقوق ہیں۔ ایک حقوق اللہ دوسرے حقوق العباد۔ گویا ان چھ ۶ گھنٹوں کو انسان نے ان دونو قسم کے فرائض کے ادا کرنے میں صرف کرنا ہے۔ عبادت حقوق اللہ میں شامل ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حقوق اللہ کو حقوق العباد پر ایک فوقیت حاصل ہے۔ جو تعلق انسان کو اللہ سے ہے اور ہونا چاہیئے وہ دوسروں کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ گویا جو وقت حقوق اللہ کو دیا جائے وہ حقوق العباد کے وقت سے زیادہ ہونا چاہیئے۔ تاکہ دین دنیا پر مقدم رہے اور انسان کا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ زیادہ ہو ٭

اب ہم بحیثیت مجموعی دیکھتے ہیں۔ کہ مختلف مذاہب نے کتنا کتنا وقت عبادت کے لئے مقرر کیا ہے۔ کانفیوشنس نے تو تمام انسانوں کے لئے عبادت فرض ہی نہیں رکھی۔ یہ صرف بادشاہ کا ہی حق رکھا ہے کہ خدا کی عبادت کرے اور وہی اپنی رعایا کی طرف سے اس حق کو پورا کرے۔ اور وہ بھی سال میں ایک دفعہ۔

اس کے بعد ہم برہم دھرم کو لیتے ہیں۔ انہوں نے روزانہ ایک دفعہ عبادت کرنے کا حکم دیا ہے انکی عبادت کو زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ وقت لگتا ہے۔

اسکے بعد آریہ اور عیسائی ہیں جنہوں نے دو وقت مقرر کیئے ہیں صبح اور شام اگر ایک ایک گھنٹہ خرچ ہو تو انکے روزانہ دو گھنٹے ہوئے یا زیادہ سے زیادہ تین گھنٹہ روزانہ ہو جائینگے۔ اس سے زیادہ نہیں صرف ہوتے۔ اسی طرح یہودیوں نے تین وقت مقرر کیئے ہیں صبح۔ دوپہر اور شام۔ اسکے لئے بھی اگر ایک ایک گھنٹہ لگے تو تین گھنٹہ وقت صرف ہوا۔ گویا زیادہ سے زیادہ انہوں نے اپنے فارغ وقت میں سے نصف حقوق اللہ یعنی عبادت کو دیا اور نصف باقی حقوق کو۔

لیکن اسلام نے پانچ وقت مقرر کیئے ہیں۔ جنمیں پانچ گھنٹہ صرف ہوتے ہیں یا کم سے کم چار تو ضرور لگ جاتے ہیں۔ کیونکہ رفع حاجت اور وضو کی تیاری میں بھی کچھ وقت گذر جاتا ہے۔ بہرحال تین گھنٹوں سے زائد وقت ضرور ہی ایک مسلم کو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ وہ طریق ہے جس سے انسان اپنے تمام حقوق کو کماحقہ اور پوری طرح ادا کر سکتا ہے۔ دوسرے مذاہب نے جو وقت رکھا ہے وہ کم ہے۔

اب میں دوسرے سوال کو لیتا ہوں کہ وقت دینا کس طرح چاہیئے۔ اسکے متعلق بھی دو سوال ہیں۔ اوّل تقسیم کے متعلق۔ اور دوم تعیین کے متعلق۔ یعنی جو وقت دینا ہے وہ ایک ہی دفعہ کر کے اکٹھا عبادت میں گذار دیا جائے یا ٹکڑے ٹکڑے کر کے اور وہ یہ ہے کہ وقت مقرر کر دینا بہتر ہے یا مقرر نہ کرنا بہتر ہے۔

میرے نزدیک تقسیم اوقات نہایت ضروری ہے کیونکہ اوّل تو توجہ کا قائم رکھنا ایک لمبے عرصہ کیلئے نہایت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ دوم اسکے لئے تعیین نہ کرنا غیر مفید ہے اسکا اتنا اثر نہیں جو چیز بار بار ہمارے سامنے آتی ہے وہ زیادہ عرصہ تک یاد رہتی ہے اور اسکا اثر ہم پر زیادہ ہوتا ہے بہ نسبت اس چیز کے جو صرف ایک ہی دفعہ ہمارے سامنے آئے۔ تیسرے یہ کہ قلبی کیفیات بدلتی رہتی ہیں اسلئے انکے مطابق کرنے

کے لئے تقسیم اوقات کا کرنا ضروری ہے۔ گویا ایک تو اس سے عبادت سہل ہوجاتی ہے دوسرے مؤثر زیادہ ہوجاتی ہے اور تیسرے مفید زیادہ بن جاتی ہے۔ چوتھے عبودیت کا اظہار بار بار دربار میں حاضر ہونے سے زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ نوکر اپنے آقا کے پاس صرف ایک دفعہ ہی نہیں جاتا بلکہ بار بار اسکے حضور حاضر ہوتا ہے اور اس کی اطاعت بجالاتا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو انسان بوجہ اپنی کمزوری کے دنیا کی طرف جُھک جائے ؂

پس برہم دھرم والوں نے تو ویسے بھی وقت تھوڑا رکھا اور پھر تقسیم بھی نہ کیا جس سے وہ ان تمام فوائد سے محروم رہ گئے۔ باقیوں نے تقسیم کی لیکن اسلام کا مقابلہ نہ کرسکے، کیونکہ ۲۴ گھنٹے کے عرصہ میں دو یا تین دفعہ خدا کے حضور حاضر ہونا نہیں تو تھوڑا ہے۔ اور پھر ان تمام قلبی کیفیات سے جو انسان پر وارد ہوتی ہیں پوری طرح فائدہ بھی نہیں اُٹھایا جاسکتا۔ اسلام نے اسکو ایسی طرز پر تقسیم کیا ہے اور پھر عبودیت کا کامل اظہار کردیا ہے۔ اور ایسا رنگ دیا ہے کہ انسان کا سارا وقت ہی گویا عبادت میں گذر جاتا ہے۔ اور دنیا کے دھندے بھی سارے کے سارے کما حقہ پورے ہوجاتے ہیں۔ انسان دنیا میں رہ کر دنیا سے علیحدہ رہتا ہے اور خدا سے دُور ہوکر اسکے قریب ہوجاتا ہے اور یہ وہ طریق ہے کہ کسی اور مذہب میں ہرگز نہیں پایا جاتا ؂

دوسرا سوال تعیّن اوقات کا ہے۔ کیوں نہ ہر آدمی پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ آزاد رہ کر جب چاہے نماز کو ادا کردیوے۔ یہ کیوں ضروری ہے کہ وقت معیّن پر ہی نماز وغیرہ عبادات ادا کی جاویں۔ سو اسکے متعلق سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر انسان کی مرضی پر ہی چھوڑا جاتا تو یہ اسپر بوجھ ہوجاتا۔ انسان کہتا کہ اب نہیں ہوسکا دوسرے وقت میں پڑھ لینگے اور ہوتے ہوتے پھر اتنا قرضہ ہوجاتا کہ اسکا ادا کرنا مشکل ہوجاتا۔ اور پھر انسان اس سے بچنے کی کوشش کرنے لگ جاتا پھر عبادت کو اہمیّت نہ رہتی۔ جب وقت مقرر ہو تو انسان کو فکر رہتی ہے اور اسکی اہمیّت کو اچھی طرح محسوس کرتا ہے۔ تیسرے یہ کہ توجہ رہتی ہے اور خیال رہتا ہے کہ نماز پڑھنی ہے اگر مقرر نہ ہوتا تو انسان اکثر بھول جایا کرتا۔ مثلاً اگر ایک مجمع کو یونہی کہہ دیا جائے کہ پانی لاؤ تو ہر شخص یہ سمجھ لے گا کہ کوئی نہ کوئی تو لے ہی آئیگا میں کاہیکو جاؤں اور اس طرح کوئی بھی نہ جائیگا لیکن اگر کہا جائے کہ عبدالحمید پانی لائے تو فوراً جاکر لے آئیگا۔ سو مقرر اور معیّن کرنے سے توجہ ہوجاتی ہے۔

پھر اوقات کی پابندی کا سبق ملتا ہے۔ ہر چیز کے لئے وقت مقرر ہونا چاہیئے ورنہ بعض صورتوں میں حدود سے تجاوز ہو جاویگا جسکی وجہ سے اکثر باتوں میں کمی آجائیگی۔ اسلئے یہ ضروری ہے کہ وقت مقرر ہو۔ پھر یہ حکمت ہے کہ انسان تیاری کر سکتا ہے اور پہلے سے اس کام کے کرنیکے لئے تیار ہو جاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور تیار ہو کر زیادہ اچھی طرح عبادت کر سکتا ہے۔ پھر ایک اور فائدہ یہ ہے کہ بہت سے آدمی ملکر اس فرض کو ادا کر سکتے ہیں جو نہایت ضروری ہے۔ اگر وقت مقرر نہ کیا جائے تو لوگ اکٹھے ہو کر عبادت کر ہی نہ سکیں اور جمع ہی نہ ہو سکیں۔ پھر قلبی کیفیات سے پوری طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ مثلاً صبح کے وقت انسان کا دل بہت صاف ہوتا ہے اور اسوقت کی بات اسکے دل پر اثر زیادہ کرتی ہے۔ اگر اسوقت سے فائدہ نہ اٹھایا جائے تو عبادت اتنی مؤثر نہیں ہو سکتی جو اس صورت میں ٭

غرض تعیین اوقات عبادت ایک نہایت ہی ضروری چیز ہے۔ دیگر مذاہب نے دو یا تین وقت مقرر کیئے ہیں۔ صبح۔ دوپہر اور شام۔ اوّل تو یہ اسلئے ناقص ہیں کہ ۲۴ گھنٹے میں بار بار صرف تین دفعہ سے نہیں ہو سکتا۔ دوسرے اس طرح کچھ ایسے وقت رہ جاتے ہیں جن میں عبادت کا رکھنا نہایت ضروری ہے۔ مثلاً عشا کا وقت یعنی سونے سے پہلے کا وقت ایسا ہے کہ اگر وہ وقت مقرر نہ کیا جائے تو اوّل تو صبح کے وقت کی تیاری نہیں ہوتی۔ اگر زیادہ دیر تک انسان جاگتا رہے تو ایک تو اسکی صحت خراب ہوگی اور دوسرے صبح کو جلدی یعنی وقت پر اسکی آنکھ نہ کھلے گی اور اس طرح اس کو نقصان ہوگا۔ پھر عموماً یہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ لوگ طرح طرح کی عیش و عشرت اور بُری عادات میں مشغول ہو جاتے ہیں اگر اسوقت عبادت نہ رکھی جائے تو انسان کی زندگی تباہ ہو جانے کا اندیشہ ہے جتنے بدمعاش لوگ ہیں وہ اسوقت سے فائدہ اُٹھاتے ہیں ٭

پس اسلام نے جو اوقات مقرر کیئے ہیں وہی اعلیٰ اور افضل ہیں اور اس سے بہتر تقسیم ہونی ناممکن ہے۔ اب میں ان امور کے ثابت ہو چکنے کے بعد کہ اسلام نے جو مقدار وقت کی مقرر کی ہے اور جس طرز پر کی ہے وہی اعلیٰ ہے ہر نماز کے وقت کی حکمتیں بیان کرتا ہوں تاکہ اسکی افضلیت میں کسی قسم کا شبہ نہ رہے اور یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو جائے کہ واقعہ میں جو حکمتیں اسلامی احکام میں مستتر ہیں وہ اور کسی مذہب میں نہیں پائی جاتیں ٭

ظہر ظہر کا وقت ایسا ہے کہ انسان اپنے دنیاوی کاروبار میں مشغول ہوتا ہے اور بوجہ کثرت کار کے اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے خالق و پروردگار کو بھول جائے اس لئے یہ وقت عبادت کے لئے مقرر کر دیا گیا تاکہ انسان باوجود دنیا میں پھنسا ہوا ہونے کے پھر بھی اپنی توجہ کو خدا کیلئے پاک کرلے اور اسی کی رضاجوئی اس کا اصل مقصود ہو۔ اور جو زنگ اسکے دل پر لگ جاوے وہ روز کا روز ہی دور ہوتا جاوے۔ یہ تو انسان کی اندرونی حالت ایسی ہے کہ اس جگہ عبادت کا وقت رکھا جانا ضروری تھا۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ ظہر کے وقت انسان کے جسم پر بیرونی تغیرات کی وجہ سے کچھ تاثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ چنانچہ اکثر لوگ ظہر کے وقت سوجاتے ہیں۔ مفرح القلوب شرح قانونچہ میں لکھا ہے کہ اسوقت کا سونا جسکو قیلولہ کہتے ہیں نسیان پیدا کرتا ہے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ انسان پر اسکے گرد و نواح کا ایک اثر ہوتا ہے اور بیرونی یعنی جسمانی تغیرات اسکے دل پر بھی اس قسم کا اثر ڈالتے ہیں۔ گویا وہ انسان کے دل میں ایک خاص قسم کی تاریک پیدا کرتے ہیں جس سے اسلام نے فائدہ اُٹھایا ہے۔ ظہر کے وقت سے زوال آفتاب شروع ہوتا ہے گویا اسوقت دنیا کی اس روشنی اور گرمی میں کمی ہو جانی شروع ہوتی ہے جو دنیا کی خوشحالی اور تسلی کا باعث ہے۔ یہ گویا ایسی ہی صورت ہے کہ ہم مطلع کئے جاتے ہیں کہ ہم پر ایک بلا آنے والی ہے جیسے کسی کے نام عدالت سے ایک وارنٹ جاری ہو۔ اس سے ہماری خوشحالی میں ایک خلل واقع ہوتا ہے اور یہ حالت زوال سے مشابہ ہے اس لئے نماز ظہر اسوقت مقرر کی گئی ہے تاکہ انسان اس منبع و مخزن روشنی و خوشحالی کی طرف توجہ کرے کہ جس میں کبھی بھی زوال نہیں شروع ہوتا۔ اور جو ہمیں حقیقی اور ابدی خوشحالی تک پہنچا سکتی ہے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اسوقت آسمان کے دروازے کھلتے ہیں اس لئے میں پسند کرتا ہوں کہ میرا کوئی عمل آسمان کی طرف صعود کرے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ دنیا کے بندے دنیا کے دھندوں میں پھنسے ہوئے ہوتے ہیں اور ظلمت کے بندے تاریکی کی آمد کی خوشی میں غافل ہوتے ہیں اسوقت جو خدا کے بندے ہوتے ہیں وہ خدا کی طرف توجہ کرتے ہیں اور خدا انکی طرف توجہ کرتا ہے اور روشنی پسند طبائع زوال آفتاب سے گھبرا کر آسمان کی طرف صعود کرنا شروع کرتی ہیں تاکہ وہ حقیقی خوشحالی کو پاسکیں۔

عصر یہ وہ وقت ہے کہ انسان دنیاوی کاروبار سے فراغت حاصل کرتا ہے اور کچھ فرصت نصیب ہوتی ہے اس لئے اللہ کا بندہ اسکے حضور جھٹ حاضر ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اسوقت عموماً لوگ تفریح طبع کی طرف مائل ہوتے ہیں اور تاریکی چونکہ نزدیک ہوتی ہے اس لئے ظلمت کے بندے اپنی تیاریوں میں مصروف

ہوتے ہیں اور بن سنور کر نکلنا شروع کرتے ہیں اس لئے اسوقت بھی ضروری قرار دیدیا گیا کہ وہ خدا کے حضور حاضر ہوتا کہ بدیوں کے مواقع سے انسان آسانی سے بچ سکے اور اسوقت کو مفید کام میں لگائے۔ بعض لوگ اسوقت سو جاتے ہیں۔ اس نیند کو قیلولہ کہتے ہیں اسکی نسبت حکیم محمد ارزانی صاحب نے لکھا ہے کہ یہ نیند بہت سی بیماریاں پیدا کرتی ہے۔ عصر کے وقت ایک دوسرا تغیّر ہے جو انسان پر آتا ہے۔ کیونکہ وہ بلا کے محل سے بہت نزدیک ہو جاتا ہے اور اسکی حالت ایسی ہوتی ہے کہ وہ بذریعہ وارنٹ گرفتار ہو کر حاکم کے سامنے پیش ہوتا ہے اس لئے اسکو پیشی کی نماز بھی کہتے ہیں یہ وہ وقت ہے کہ انسان کا خوف سے خون خشک ہوتا ہے اور تسلّی کا نور اس سے رخصت ہونے کو ہوتا ہے یہ اسوقت سے مشابہ ہے کہ آفتاب کی روشنی کم ہو جاتی ہے اور نظر اس پر جم سکتی ہے اور صریح نظر آتا ہے کہ اب غروب نزدیک ہے ؛

مغرب یہ تیسرا تغیّر ہے جو انسان پر آتا ہے جبکہ بلا سے رہائی پانیکی امید بکلی قطع ہو جاتی ہے گو اسوقت انسان کے نام فرد قرار داد جرم لکھی جاتی ہے اور وہ اپنے آپ کو قیدی خیال کرتا ہے اور اسکے اوسان خطا ہو جاتے ہیں یہ حالت اسوقت سے مشابہ ہے جبکہ آفتاب غروب ہو جاتا ہے اور تمام امیدیں حسن کی خوشی کی ختم ہو جاتی ہیں۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ اگر کوئی انسان تفریح طبع میں مشغول بھی ہو جاوے تو فوراً اپنے آقا کے دربار میں واپس حاضر ہو جاوے۔ گویا جب انسان عصر اور مغرب کی نماز کو ادا کریگا تو درمیانی وقت خود بخود محفوظ ہو جائیگا۔ ورنہ صرف ایک طرف کی احتیاط آنی مفید نہیں ہو سکتی ؛

عشا چوتھا تغیّر بلا کا وارد ہو جاتا ہے۔ جبکہ اس کی سخت تاریکی انسان کو احاطہ کر لیتی ہے گویا اسوقت حکم سزا کا سُنایا جاتا ہے اور سپاہی کے حوالے کر دیا جاتا ہے کہ قید خانہ میں لیجاوے۔

عموماً بدیاں اسی وقت کی جاتی ہیں اگر اسوقت کو انسان عبادت میں لگا دے اور سو جاوے تو اکثر بدیوں سے بالکل محفوظ ہو جاتا ہے۔ تیسری حکمت یہ ہے کہ نیند سے پہلے جس قسم کے خیالات کو لیکر انسان رات کے وقت سوتا ہے اسی قسم کے خیالات اسکے دماغ میں چکّر لگاتے رہتے ہیں۔ اگر وہ بُرے خیالات ہونگے تو وہی گہرے ہو جائینگے اور اگر وہ اچھے ہونگے تو وہ گہرے ہو جائینگے اسطرح گویا عشا کی نماز پڑھنے سے انسان کی نیند بھی عبادت میں شامل ہو جاتی ہے اور انسان باوجود سونے کے

عبادت میں ہی مصروف ہوتا ہے۔ نیند کا وقت جو بظاہر ضائع ہوتا تھا اسطرح مفید طور پر صرف ہوگا اس لئے عشا کے بعد باتیں کرنا منع ہیں۔

فجر پھر جبکہ تم مدت تک اس مصیبت کی تاریکی میں بسر کرتے ہو تو پھر آخر خدا کا رحم تم پر جوش مارتا ہے اور تمھیں اس تاریکی سے نجات دیتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے فطرتی تغیرات کے مقابل پر اور انکے مطابق پانچ نمازیں ہم پر مقرر کی ہیں اگر ہم بلاؤں سے بچنا چاہتے ہیں تو ہم کو چاہیئے کہ ان نمازوں کو ترک نہ کریں۔

صبح کی نیند کو عیلولہ کہتے ہیں اسکی نسبت بھی لکھا ہے کہ مضر ہے خصوصاً جبکہ معدہ خالی ہو۔ صبح اٹھنا ویسے ہمارے جسم کے لئے بھی مفید ہے۔

گویا پانچ نمازوں کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہر مصیبت اور ہر خوشی موقعہ پر خدا کی طرف متوجہ ہو۔ جبکہ دنیا اور اسکی بدیاں اور کمزوریاں انسان کو اپنی طرف کھینچنے لگتی ہیں تو خدا کا بندہ انسے بچکر اوپر کی طرف پرواز کرتا ہے اور اپنے مولےٰ سے دل لگاتا ہے تاکہ یہ فانی دنیا اس کا اصل مقصود نہ ٹھیر جائے اور انسان اپنی غرض پیدائش کو بھول نہ جائے۔ گویا بار بار اسکے حضور میں حاضر ہوکر انسان اپنی عبودیت کا اظہار کرتا اور خدا کی تعریف بجالاتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ وہ تقسیم و تعیین اوقات ہے کہ کسی دوسرے مذہب میں نہیں پائی جاتی ۔ (باقی دارد)

شذرات

(ترجمہ انگریزی ریویو لنڈن)

دنیا کیلئے اسوۂ کامل کون ہے؟ یسوع مسیح یا نبی اکرمؐ

ایسٹ اینڈ دی ویسٹ، کے تازہ پرچہ میں ریورنڈ۔ ڈبلیو۔ ڈبلیو۔ کیش نے ایک نہایت ہی دلچسپ مضمون دیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اسلام کے متعلق اب رویہ بہت کچھ بدل چکا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے "ہمارے مسلمان بھائی عیسائیت کے متعلق اپنی روش بالکل کھلی کھلی اور صاف رکھتے ہیں۔ وہ یقین رکھتے ہیں۔ کہ ہمارا مذہب عملدرآمد میں آنیوالی طاقت ہے۔ اور پہاڑی وعظ محض ایک خیال ہے اور ضروریاتِ انسانی کے لئے غیر ممکن العمل ہے۔ انہوں نے مسیح کے متعلق صلیب اور رفع کے مسئلہ کو "حالت غشی" کی تھیوری سے حل کر دیا ہے۔ ساتویں صدی کے مختص المقام نبی کی حیثیت سے انہوں نے محمدؐ کے درجہ کو یہاں تک بڑھایا ہے۔ کہ وہی تمام بنی نوع انسان کی آخری امید ہے۔ اور آخری منتہیٰ ہے۔ انکا یقین ہے۔ کہ دنیا کی آیندہ بہبودی صرف اسلام کے اندر ہی مدغم ہے۔ ان کا دعویٰ ہے۔ کہ عہد نامہ نو کا رنو کی روح' اسلام کی روح ہے۔ اور یہ عہد نامہ دنیا کو بذریعہ اسلام فتح کرنے کا ایک قدم اٹھایا گیا ہے۔ ان خیالات کو لیکر۔ اور ہم کو یقین ہے۔ کہ سچے دل سے ان عقائد کے حامل ہو کر وہ اپنا فرض اولین اس امر کو سمجھتے ہیں۔ کہ اپنا پیغام تمام دنیا کو سنائیں۔ اور اپنا مذہب تمام عالم میں پھیلائیں ہم کو ایک منٹ کے لئے بھی ان کے اس حق پر اعتراض نہیں۔ کہ وہ اسلام کو ہر فرد بشر تک پہنچائیں۔ مگر انہیں ہم سے شاکی نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر ہم ان کے ساتھ متفق نہ ہو سکیں۔ اصل بات کو نہایت وثوق کے ساتھ پیش کریں کہ عیسائیت دنیا میں تاریخی اور قدیمی پوزیشن رکھتی ہے جو کہ مسیح کے عالمگیر ہونے پر مبنی ہے۔ اور جو کہ انسان کے لئے ایک اور صرف ایک ہی منتہیٰ ہے۔ لیکن اس قسم کے اختلافات تو ہر مذہب کے عقائد میں پائے جاتے ہیں۔ اور جہاں تک ہم عیسائیوں کے بس میں ہے۔ اور ہم سے تعلق ہے۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں۔ کہ ہم اپنی پوزیشن بھی قائم رکھیں۔ اور اپنے مذہب کو اپنے مسلم بھائیوں کے ساتھ دوستی اور اخوۃ کے تعلقات کی روح کے ساتھ سکھاتے جائیں۔ ہم صرف اس بات کے خواہشمند ہیں۔ کہ حق اور صداقت دنیا میں پھیل جائے۔ خواہ وہ کہیں سے آئے"

اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ قدم صحیح راہ کی طرف اٹھایا گیا ہے۔ اور ہم کو یقین ہے۔ کہ صداقت غالب آئیگی۔ ایک وقت تھا۔ کہ عیسائی مصنف یا مضمون نگار اپنا فرض سمجھتا تھا کہ بانیٔ اسلام کی

ذات میں سوائے "شرارت اور فریب" کے اور اسے کچھ نہ نظر آئے۔ لیکن اب ہم کو عموماً یہ کہا جاتا سنائی دیتا ہے۔ کہ وہ "ساتویں صدی کا مختص المقام شہنشاہی تھا۔ اور ساتھ ہی مسلمانوں کے ساتھ "دوستی اور اخوۃ کی روح" کی تلقین کی جاتی نظر آتی ہے۔

چاہیئے۔ کہ ہمارے عیسائی دوست اسلام کے متعلق تھوڑا سا اور دل کو وسیع کریں۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ اپنے پرانے تعصبوں اور بغضوں کو اپنے اندر سے نکال دیں۔ اور پھر اسلام کو کھلے دل اور آزادی کے ساتھ مطالعہ کریں۔ تب انہیں نظر آجائیگا۔ کہ کیا مریم کا بیٹا مسیح جس کا کوئی باپ تھا۔ نہ بیوی اور نہ بچہ تھا۔ اس دنیا کے ایک عام آدمی کے لئے کامل نمونہ ہو سکتا ہے؟ اسکے بعد بھی اگر وہ واقعی اس نتیجہ پر پہنچ جائیں۔ کہ وہ انسان کے لئے آخری منتہیٰ قرار دیا جا سکتا ہے۔ تو بیشک انہیں چاہیئے۔ کہ وہ اس پر نہایت ہی وثوق اور پورے زور کے ساتھ ایمان رکھتے ہوئے اپنی بات دنیا کے سامنے پیش کریں۔

خیالات اور آراء میں اختلافات کا ہونا ہم قبول کرتے ہیں۔ اور ہم نے کبھی اسکی شکایت نہیں کی مگر ہم جو چاہتے ہیں وہ یہ ہے۔ کہ جان بوجھ کر اسلام کی صورت کو بگاڑ کر ظاہر نہ کیا جائے۔

۲۔ بائیبل کا دعویٰ ہے۔ کہ مسیح خدا کا اکلوتا بیٹا ہے۔ جسکے دوسرے لفظوں میں یہ معنی ہیں۔ کہ خدا صرف مسیح کا ہی باپ ہے۔ پس بائیبل کی رو سے وہ (خدا) گویا تمام بنی نوع انسان کا باپ نہ ہوا جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ حلقۂ عیسائیت میں انسانوں کا آپس میں بھائی بھائی ہونا غیر ممکن ہے۔

بہشت اور دوزخ

(از ٹی۔ کے۔ لائی' ایڈیٹر 'دی میسج' سیلون)

تازہ تحقیقاتوں اور نئے انکشافات نے جو دنیا کے اندر سائینس نے عیاں کئے ہیں۔ آسمان کے اوپر بہشت اور دوزخ کے وجود کے صدیوں کے عقیدہ پر بجلی گرا کر یک قلم اسکو ایک آئی گئی بات بنا دیا ہے۔ ان انکشافات نے انجام کار اس بات سے انکار کروا دیا ہے۔ کہ اس دنیا کے علاوہ کوئی اور مادی دنیا بھی ہے۔ جس میں صرف روح ہی پہنچ سکتی ہے۔

کرسچن چرچ کے "ڈین انج" اور "بشپ آف ریچ فیلڈ" جیسے بڑے بڑے پادریوں نے یہ کہدیا ہے

کہ آسمان کے اوپر بہشت اور دوزخ کے وجود کا ماننا محض طفلانہ خیال ہے۔ اور اب وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ بہشت اور دوزخ کوئی دو مختلف مقام نہیں ہیں بلکہ انسانی حالتوں کے نام ہیں جو کہ انسان خود اپنے اعمال کے نتیجہ میں پیدا کرتا ہے۔

اُنیس ۱۹ سو سال تک عیسائیوں کا یہ عقیدہ رہا ہے۔ کہ یسوع مسیح صلیب پر مرا۔ اور تمام بنی آدم کے گناہ اپنے ساتھ لیتے ہوئے دوزخ میں جا اُترا۔ جہاں تین دن رہ کر پھر آسمان کی طرف اُٹھایا گیا۔

یقیناً اگر بہشت اور دوزخ کوئی (مادی وجود) نہیں۔ تو مسیح کے رفع پر بارہ ۱۲ حواریوں اور دیگر عیسٰی شاہدوں کی گواہی ایک غلط خیال ہے۔ اور محض وہم پر مبنی ہونیکی وجہ سے قابل تردید اور پھر سینٹ پال کی شہادت بھی کہ مسیح نے خدا سے موت سے بچنے کے لئے دعا مانگی قابل قبول ہے۔ پال کا یہ بیان اب اور بھی سچا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یسوع نے جو کہ انسانی روح اور جسم رکھتا تھا۔ خدا سے یہ دعا کی۔ کہ میں اس لعنتی موت سے دوزخ میں نہ ڈالا جاؤں۔ اور چونکہ یسوع خدا کا نبی تھا۔ اسکی دعا قبول ہوئی اور اسکو صلیب پر خدا کے ہاتھ نے موت سے بچایا۔ تاکہ اسکی روح بہشت میں داخل ہو۔ یہ امر واقعہ ہے جسکو موجودہ سائینس نے بھی ثابت کیا ہے۔ کہ روح کسی مادی یا روحانی جسم کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ مادی جسم کے متعلق ہمیں علم ہے۔ کہ یہ سڑ جاتا ہے۔ اور ضائع ہو جاتا ہے۔ پس وہ روحانی جسم ہوتا ہے۔ جو روح کو موت کے وقت۔ روحانی دنیا تک پہنچاتا ہے۔ جہاں وہ اسکے لئے دوزخ یا بہشت بنجاتی ہے۔ یہ جسم غیر مرئی ہوتا ہے۔ اس حالت کے بعد روح اپنی ترقی کے سفر میں ایک تیسرا جسم حاصل کرتی ہے۔ جو کہ بے نظیر طور پر لطیف اور پاک ہوتا ہے۔

اگر علم طبعی کے ان واقعات کو مانا جائے۔ تو یہ کتنا غیر معقول و بے دلیل ہوگا۔ کہ یسوع قبر میں سے اُٹھا دوزخ میں تمام انسانوں کے گناہ لیکر داخل ہوا۔ اور تین دن تک وہاں پڑا رہا۔ ان واقعات کو زیر غور لانے کے بعد ہم ایک اور صرف ایک ہی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ یسوع صلیب پر موت سے بچایا گیا۔ ازاں بعد اس نے طبعی موت پائی۔ اور اسکی روح روحانی جسم کے ساتھ موت کے درے سے ہو کر روحانی دنیا میں داخل ہو گئی۔

صفحۂ دنیا پر بجز اسلام کے ایک مذہب بھی ایسا نہیں۔ جو یہ تعلیم دیتا ہو۔ کہ بہشت اور دوزخ انسانوں کی دو حالتوں کا نام ہے۔ جو خود انکے اس دنیا کے اعمال کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اس مضمون کو واضح کرنے کے لئے احمد نبی قادیانی قرآن کریم کی سند کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ کہ بہشت اور دوزخ باہر سے نہیں آتے بلکہ اندر سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ روح اس جسمانی موت کے بعد اس

دنیا سے روحانی دنیا کو جسے "برزخ" کہتے ہیں۔ سفید یا سیاہ جسم لیکر سدھارتی ہے۔ جبکہ سفید جسم بہشت کی اور سیاہ دوزخ کی علامت ہوتی ہے۔ یہاں سے روح اوپر ہی اوپر تا روز قیامت پرواز کرتی ہے۔ اور ترقی کرتی ہے۔ یہاں تک کہ اس دن وہ اپنے تیسرے جسم میں ظاہر ہوگی۔ یہ ہے اسلامی تعلیم جو کہ بہشت اور دوزخ کے مسئلہ کو حقیقی طور پر علم طبیعات کی رو سے واضح کرتی ہے۔

احمد نبی یہ بھی بیان فرماتے ہیں۔ کہ انسان کا ایمان اور اسکے پاکیزہ اعمال اس کے لئے بہشت پیدا کرتے ہیں اور اس کی غداری اور بد اعمالیاں اسکے لئے دوزخ۔

مبارک ہیں وہ جو احمد نبی کی لائی ہوئی تعلیم کو قبول کرتے ہیں۔ اس پر ایمان لاتے ہیں ✦

معراج نبوی میں شان عروج مرتضوی

گو میں کہ نہیں سکتا کہ برابر تھے علی ✦ پر احمد مرسل کے برابر تھے علی ✦ معراج کی رات کو حقیقت جو کھلی ✦ پردہ کے باہر تھے نبی اندر تھے علی

شیعوں کا یہ مسلمہ اور پسندیدہ عقیدہ ہے کہ حضرت رسالت مآب صلعم اور جناب علی علیہ السلام کا ساتھ حسب آیہ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ازلی ابدی ہے۔ ہر دو چیدہ و برگزیدہ پروردگار ہیں اور ایک دوسرے کے رفیق غمگسار اور دکھ سکھ میں شریک و مددگار۔ جس دن آنحضرت صلعم نے اپنا اعلان نبوت فرمایا ولایت مرتضوی کا اعلان بھی بابانگ دہل فرما دیا تھا۔ فصول اذان میں بھی محمدؐ کے ساتھ علیؑ کی شہادت موجود اور اس طرح کلمہ طیبہ میں بھی آن کا نام نامی شامل کرنا لابد وا نشد ضروری ہے۔ دونو کی پیدائش بھی ایک ہی نور سے ہے۔ اور ہر دو بزرگواروں کے نام نامی بھی باری تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ سے مشتق ہیں۔ قرب الٰہی میں بھی دونو تقریباً مساوی ہیں۔ بلکہ بعض شیعہ فرقے تو انکو محمدؐ صلعم سے بھی افضل و برتر مانتے ہیں۔ جیسے کہ ایک فرقہ علیا آدیہ کی نسبت مروی ہے کہ وہ اپنے زعم میں محمد صلعم کو علیؓ کا بندہ مانتے ہیں اور علیؑ کو رب قرار دیتے ہیں۔ وزعموا ان محمدًا صلے اللہ علیہ واٰلہٖ عبد علیؑ و علیًّا علیہ السلام ھو ربّہٗ۔ توضیح المقال باب الثالث فصل الثانی مطبوعہ ایران صفحہ ۶۲

اسی طرح ایک اور شیعہ فرقہ غرابیہ کا اعتقاد ہے کہ خدا نے جبرئیل کو بھیجا تو تھا علیؓ بن ابی طالب کی طرف لیکن اس نے غلطی کی کہ محمدؐ کے پاس چلا گیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ محمدؐ و علیؑ آپس میں بہت مشابہ تھے۔ کوّے کی طرح غرابیہ از عالی گویند خدا جبرئیل را بعلیؑ بن ابیطالب فرستاد و او غلط کردہ بہ محمد رفت از آنکہ محمد بہ علیؑ مانند بود مثل غراب تذکرۃ الائمہ مطبوعہ ایران صفحہ ۹۱

غرض شائد ہی کوئی ایسا خاص موقعہ و محل قابل ذکر ہوگا۔ جس میں جناب علی علیہ السلام کی شرکت شمول رسول صلعم

کے ساتھ شیعوں میں نمایاں طور پر پہلو بہ پہلو اور دوش بدوش مذکور نہ ہو۔ اور اس غلوّ میں نہ صرف شیعہ غالی ہی مبتلا ہیں شیعوں میں نمایاں طور پر پہلو بہ پہلو اور شیعہ بھی ماشاء اللہ غالیوں سے پیچھے نہیں رہے۔

مثال کے طور پر واقعہ معراج نبویؐ کو ہی لے لو۔ معراج اور اسکی متعلقہ روایات پر جو کتب شیعہ میں مروی ہیں اگر کوئی محقق غور کرے تو انشاء اللہ اس نتیجہ پر پہنچے گا۔ کہ اس خاص الخاص واقعہ قرب الٰہی میں بھی جسکی شان میں آیۃ قاب قوسین او ادنیٰ شاہد ہیں آنحضرت صلعم تن تنہا ممتاز نہیں بلکہ ہر مقام خاص اور خلوت کدہ باختصاص میں جناب علی علیہ السّلام بھی کسی نہ کسی رنگ میں ضرور اُن کے شریک حال و انباز ہیں۔ ذیل میں چند ایک روایات اس موضوع خاص پر ہدیہ ناظرین کی جاتی ہیں۔ جس سے واضح ہو جائیگا کہ لیلۃ الاسراء میں معراج نبویؐ کا تو ایک بہانہ تھا۔ دراصل باری تعالیٰ کو جناب علی علیہ السلام کی شان و قدر و منزلت دکھانا تھا۔

۱۔ ماضلّ صاحبکم وما غوی۔ ودر روایات بسیار وارد شدہ است کہ یعنی محمدؐ ما گمراہ نہ شدہ است درباب خلافت علیؑ و دروغ نمے گوئد آنچہ در فضل او مے گوئد الخ حیات القلوب جلد ۲ باب ۲۴ ص۲۶۲

ترجمہ۔ اور بہت سی روایتوں میں آیا ہے کہ ہمارے محمدؐ جناب علیؑ کی خلافت کے بارہ میں گمراہ نہیں ہوئے اور جو کچھ انکی فضیلت میں فرماتے ہیں۔ وہ جھوٹ نہیں ہے۔

۲۔ فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ۔ ودر احادیث معتبرہ بسیار وارد شدہ است کہ یعنی در امامت امیرالمومنینؑ و رفعت و شان او وحی کرد آنچہ وحی کرد۔ ایضاً ص۲۶۲

ترجمہ۔ پس وحی کی خدا نے اپنے بندہ کی طرف جو وحی کی اور بہت سی معتبر حدیثوں میں آیا ہے کہ یہ وحی جناب علیؑ کی امامت اور اُن کی شان و کمال کے بارہ میں ہوئی تھی۔

۳۔ آنحضرت صلعم کو ایک سو بیس دفعہ معراج ہوئی ہے اور ہر دفعہ حضرت رسول صلعم کو جناب علیؑ اور دیگر ائمہ کرامؑ کی ولایت و امامت کے بارہ میں تمام فرائض سے بڑھ چڑھ کر تاکید اکید ہوئی۔ اگرچہ دوسری جگہ مروی ہے کہ معراج دو دفعہ ہوئی۔

ابن بابویہ و صغار و دیگران بسند معتبر از حضرت صادق علیہ السّلام روایت کردہ اند کہ حق تعالیٰ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ را صد و بست مرتبہ بآسمان بردند و در ہر مرتبہ آنحضرتؐ را درباب ولایت و امامت امیرالمومنین و سائر ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین زیادہ بر سائر فرائض تاکید و مبالغہ نمود ایضاً ص۲۶۳

ص۲۷۵ در حدیث معتبر روایت کردہ است کہ از ان حضرت سوال کردند کہ حضرت رسولؐ چند مرتبہ بمعراج رفت حضرت فرمود کہ دو مرتبہ الخ ایضاً

۴۔ خود آنحضرت صلعم سے ایک روایت واقعہ معراج کے متعلق مروی ہے جسمیں آپ جناب فاطمۃ الزہرا کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

یا فاطمہ انہ لما اسری بی الی السماء وجدت مکتوبا علی صخرۃ بیت المقدس لا الٰہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ ایدتہ

بوزیرہ ونصرتہ بوزیرہ فقلت لجبرئیل ومن وزیری فقال علی بن ابیطالب۔ فلما انتہیت الی سدرۃ المنتہی وجدت مکتوباً علیہا انّی انا اللہ لا الٰہ الّا انا وحدی محمد صفوتی من خلقی ایّدتہ بوزیرہ ونصرتہ بوزیرہ فقلت لجبرئیل ومن وزیری قال علی بن ابیطالب۔ بحار الانوار مجلد عاشر تاریخ سیدۃ النساء العلمین مطبوعہ ایران صفحہ ۲۹

چوں از سدرۃ المنتہی گذشتم و بعرش پروردگار عالیاں رسیدم در قائمہ عرش نوشتہ بود لا الٰہ الّا اللہ و انا اللہ وحدی ومحمد حبیبی وصفوتی بین خلقی ایدتہ بوزیرہ واخیہ ونصرتہ بہ حیات القلوب جلد ۲ باب ۲۴ صفحہ ۲۸۷ یعنی اے فاطمہ جب میں آسمان جاتا تھا بیت المقدس کی چٹان پر میں نے دیکھا کہ کلمہ طیبہ لکھا ہُوا ہے اور اُسکے آخر میں مرقوم ہے کہ میں نے اس کی تائید کی اسکے وزیر کے ساتھ اور نُصرت فرمائی اسکے وزیر کے ساتھ۔ تو میں نے جبرئیل سے پوچھا میرا وزیر کون ہے تو اس نے کہا علیؑ بیٹے ابو طالب کے۔ پھر جب سدرۃ المنتہی کے پاس پہنچے تو وہاں ایک لکھی لکھائی تحریر پائی جسپر یہ مرقوم تھا کہ میں خدا ہوں کوئی خدا نہیں ہے مجھ واحد کے سوا اور محمد صلعم میری مخلوق سے برگزیدہ ہے میں نے اسکی تائید اور نصرت کی اسکے وزیر کے ذریعے سے۔ اسپر میں نے جبرئیل سے دریافت کیا کہ میرا وزیر کون ہے اس نے کہا کہ علیؑ بن ابی طالب۔ پھر سدرۃ المنتہی سے گذر کر جو عرش کے پایہ تک پہنچا تو وہاں لکھا ہُوا پایا لا الٰہ الّا اللہ الخ میں نے کہا اے جبرئیل میرا وزیر کون ہے؟ اس نے کہا علیؑ بن ابیطالب۔

۵۔ پہلے آسمان کی سیر اور اسکے کوائف میں مرقوم ہے کہ آنحضرت صلعم کی خاطر خدا نے تیسرے آسمان سے چالیس قسم کے انوار کا ایک محمل روانہ فرمایا۔ جسکو دیکھ کر ملائکہ کی آنکھیں بھی خیرہ ہوگئیں۔ پھر لکھا ہے کہ سب ملائکہ نے آنحضرت صلعم کے حضور میں حاضر ہوکر سلام کیا اور یوں عرض حال کیا ہے "یا محمدؐ چگونہ است حال برادر تو علیؑ؟ گفت بخیر است حال او گفتند چوں اورا بینی سلام ما با و برساں حضرت فرمود کہ شما اورا مے شناسید؟ گفتند اورا چگونہ نشناسیم وحال آنکہ حق تعالیٰ پیمان تو و پیمان اورا از ما گرفتہ است وما پیوستہ بر تو و برا و سلام میفرستم" ایضاً صفحہ ۲۷ یعنی اے محمدؐ آپکے بھائی علیؑ کا کیا حال ہے؟ فرمایا کہ اسکا حال اچھا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ جب انکو ملئے گا تو انکی خدمت میں ہمارا سلام عرض کردیجے گا حضرت صلعم نے دریافت فرمایا کہ تم اُنکو جانتے ہو؟۔ انہوں نے عرض کیا کہ کسی طرح اُسکو نہیں پہچانتے حالانکہ خدا نے آپ کا اور اُنؑ کا عہد ہم سے لے لیا ہُوا ہے۔ اور ہم ہمیشہ آپ پر اور اُن پر سلام بھیجتے ہیں۔

دوسرے آسمان پر جب تشریف فرما ہوئے تو پھر ملائکہ آسمان دوم نے حاضر خدمت ہوکر سلام کیا۔ اور معاً بعد عرض کیا کہ اپنے بھائی کو ہمارا سلام پہنچا دیجئے گا۔ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ میں نے اُن سے دریافت کیا کہ تم اُن کو جانتے پہچانتے ہو؟ تو ملائکہ نے عرض کیا۔

"چگونہ اورا نشناسیم وحال آنکہ حق تعالیٰ بیان ولائیت واعانت ومحبّت ونور او را و شیعیاں او را تا روز قیامت از ما گرفت وما در ہر روز پنج نوبت تفحص شیعیان او مے کنیم بر دہان ایشان نظر مے کنیم یعنی بوقت نمازہا" ایضاً صفحہ ۲۷

یعنی اُن کو پہچانتے کسی طرح نہیں؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے انکی ولایت ومحبت ونور کا اور آن کے شیعوں کا تاروز قیامت ہم سے عہد لیا ہوا ہے۔ اور ہم روزمرہ پانچ دفعہ انکے شیعوں کی جانچ پڑتال کیا کرتے ہیں اور انکے چہروں کو دیکھتے ہیں یعنی اوقات نماز پنجگانہ میں۔

تیسرے آسمان پر جب آنحضرت صلعم کا محمل مبارک پہنچا۔ تو ملائکہ نے بڑے تپاک سے استقبال کیا اور کہا کہ مرحبا علیؑ کو جو سب اوصیاء سے بہتر ہے پھر ملائکہ نے ہم کو سلام کہا۔ اور علیؑ کی احوال پرسی کی۔ ہم نے کہا کہ ہم انکو زمین میں اپنا خلیفہ مقرر کر آئے ہیں:۔ اور کیا تم اُس کو جانتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہر سال ایک دفعہ ہم بیت المعمور کے حج کو جایا کرتے ہیں۔ اس جگہ ایک سفید رنگ کا نامہ ہے۔ جس میں محمدؐ و علیؑ و حسنؑ و حسینؑ اور فرزندان امام حسینؑ سے جو امام ہیں انکے نام نامی اور انکے شیعوں کے نام جو روز قیامت تک ہوں گے۔ لکھے ہوئے ہیں۔ اور ہم ہمیشہ برکت حاصل کرنے کے لئے اُن کے اوپر ہاتھ پھیرتے ہیں۔

"از حال علی سوال کردند گفتم او را در زمین خلیفہ خود کردہ ام آیا او را مے شناسید الی آخرہ" ایضاً ص۲۷

چوتھے آسمان کی کیفیت میں مرقوم ہے کہ وہاں پہنچکر جبرئیل نے کہا "حی علی الصلوۃ" "حی علی الفلاح" دو دفعہ ملائکہ نے کہا کہ یہ دو آوازیں ہیں۔ جو ایک دوسرے کے ساتھ متصل و نزدیک ہیں محمدؐ کا نام لیکر نماز کا آغاز ہوتا ہے اور علیؑ کا نام لیکر وہ مراد اور نجات کو حاصل کرتے ہیں۔ پھر جبرئیل نے کہا قد قامت الصلوۃ دو دفعہ۔ ملائکہ نے کہا کہ یہ شیعان علیؑ کے واسطے ہے۔ کیونکہ وہ جس طرح کہ حق ہے نماز کے ادا کرنے کا تا روز قیامت ادا کرتے رہیں گے۔ پھر ملائکہ نے حسب معمول آنحضرت صلعم سے جناب علی علیہ السلام کی بابت پوچھا کہ اسکو کہاں چھوڑ آئے۔ اور اُن کا کیا حال ہے؟

"پس ملائکہ گفتند در کجا گذاشتی برادر خود علیؑ را او چہ حال دارد" ایضاً ص۲۷

لطیفہ۔ تیسرے اور چوتھے آسمان کی مذکورہ بالا کیفیت کو دیکھ کر ایک دو ضروری سوال حل طلب پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً جو تیسرے آسمان کے ملائکہ جو پانچ وقت کی نمازوں میں پانچ دفعہ شیعیان علیؑ کا معائنہ کیا کرتے تھے۔ آجکل کے تین ہی وقت میں پانچ نمازوں کو پورا کر دینے والے شیعیان علیؑ کے چہروں کو دیکھ کر کیا کہتے ہونگے؟۔ اور چوتھے آسمان کے کوائف میں جو اقامت کے کلمات میں سے حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح کے معاً بعد قد قامت الصلوۃ دو دفعہ کہنے کا ذکر ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ ایک مشہور و معروف کلمہ حی علی خیر العمل جو آجکل کے شیعہ بآواز بلند کہا کرتے ہیں۔ اس کا ذکر ہی نہیں۔ کیا جبرئیل بھول گئے یا ملا باقر مجلسی مؤلف کتاب حیات القلوب؟۔ یا بقول شخصے ایجاد بندہ ہے؟

۱۴۔ شیخ کرجلی نے آنحضرت صلعم سے روایت کی ہے کہ فرمایا کہ شب معراج میں خدائے تعالیٰ نے مجھے آواز دی کہ اگلے

انبیاءؑ سے پوچھو کہ کس امر کے لئے مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ جب مَیں نے اُن سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ ہم سب آپکی رسالت اور جناب علیؑ ابن ابی طالب کی اور دوسرے اماموں آپکے فرزندوں کی امامت کے لئے مبعوث ہوئے تھے پھر خدا نے مجھے وحی فرمائی کہ ذرا عرش کے دائیں طرف کو دیکھے۔ جب دیکھا تو علیؑ و حسنؑ و حسینؑ و علی بن الحسینؑ سے لیکر مہدی آخر الزمان تک سب کی صورتوں کو دیکھا۔ کہ ایک نور کے دریا میں کھڑے نمازیں پڑھ رہے ہیں۔ پھر خدا نے فرمایا کہ یہ ہیں میری طرف سے میری مخلوق پر حُجت اور میرے دوست اور نزدیکی اور مہدی جو سب کے آخر ہیں میرے دشمنوں سے انتقام لیں گے۔

"چوں نظر کردم صورت علیؑ و حسنؑ و حسینؑ ×× و مہدی صاحب الزمان صلوات اللہ علیہم را دیدم کہ در دریائے نور نماز مے کردند پس حق تعالیٰ گفت کہ اینہا حجت ہائے من و اولیاء و دوستان من اند و مہدی کہ آخر ایشاں است انتقام خواہد کشید از دشمنان من" ایضاً صفحہ ۲۷۳

۷۔ بسند معتبر ابن عباس سے مروی ہے کہ فرمایا آنحضرت صلعم نے کہ جب مَیں معراج کو گیا۔ ملائکہ کے جس گروہ کے پاس پہنچا۔ انہوں نے علیؑ ابن ابیطالب کی احوال پُرسی کی۔ یہانتک کہ مجھے شک ہُوا کہ آسمانوں میں تو علیؑ کا نام میرے نام سے بھی زیادہ مشہور ہے۔ اور جب چوتھے آسمان پر پُہنچے اور ملک الموت کو دیکھا۔ اس نے کہا کہ اے محمدؐ جو بندہ بھی خدا نے پیدا کیا ہے۔ مَیں اسکی روح کو قبض نہیں کرتا ہوں جب تک آپؐ اور علی علیہ السلام موجود نہ ہوں۔ مَیں نے عرش کے نیچے علیؑ بن ابیطالب کو دیکھا کہ کھڑے ہیں مَیں نے کہا کہ اے علیؑ تم مجھ سے پہلے پُہنچ گئے؟ جبرئیل نے کہا اے محمدؐ کس سے بات چیت کر رہے ہو؟ مَیں نے کہا اپنے بھائی سے۔ جبرئیل نے کہا اے محمدؐ یہ علیؑ نہیں ہیں بلکہ ملائکہ رحمٰن میں سے ایک ملک ہے جسکو خدا نے علی کی صورت پر پیدا کیا ہے اور ہم ملائکہ مقرب جب کبھی علیؑ کے دیدار کے مشتاق ہوتے ہیں تو اس فرشتہ کو دیکھ لیتے ہیں۔

"فرمود کہ چوں بمعراج رفتم بہ ہیچ گروہ از ملائکہ نہ رسیدم۔ مگر از من سوال کردند از علیؑ ابن ابیطالب علیہ السلام تا آنکہ گمان کردم کہ نام علیؑ در آسمانہا از نام من مشہور تر است الخ ایضاً صفحہ ۲۷۳ و فی الجوامع عنہا حرام علی روح ان تفارق جسدھا حتّٰی تریٰ محمدًا و علیًا۔ تفسیر صافی زیر آیۃ و ان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہٖ

۸۔ کتاب معراج ابن بابویہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ فرمایا آنحضرت صلعم نے کہ شب معراج میں جب مَیں پانچویں آسمان پر پُہنچا۔ جناب علی بن ابیطالب کی صورت کو اس جگہ دیکھا جبرئیل سے پوچھا۔ دوست! یہ کیا صورت ہے؟ جبرئیل نے کہا کہ فرشتوں نے خواہش کی تھی کہ علیؑ کے جمال سے بہرہ اندوز ہوں۔ جس طرح کہ بنی آدم صبح و شام اُن کے جمال سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اس پر خدائے تعالیٰ نے اپنے پاک نور سے انکی صورت پیدا فرما دی اور علیؑ کی صورت انکے پاس ہے کہ رات دن اسکی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا امام صادق علیہ السلام نے کہ جب ابن ملجم ملعون نے آنجنابؑ کے سر مبارک پر ضرب لگائی تو اس ضرب کا نشان اس مقدس صورت پر بھی نمودار ہو گیا۔ ملائکہ جب کبھی اس

صورت کو دیکھتے ہیں تو ابن ملجم پر لعنت کرتے ہیں۔ اور جب امام حسینؑ بن علیؑ شہید ہوئے۔ تو ملائکہ زمین پر اُتر آئے اور آنحضرتؐ کو آسمان پر لے گئے۔ تاکہ انکو بچاویں آسمان میں علیؑ کی صورت بنا کر رکھیں پس جو ملائکہ کی فوج زیارت علیؑ کیلئے آسمانوں سے اُترتی ہے اور اوپر کو واپس جاتی ہے اور امام شہیدؑ کو خون آلودہ دیکھتے ہیں تو ابن زیاد اور تمام قاتلان حسینؑ بن علیؑ پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اور یہ امر قیامت تک برابر جاری رہے گا۔ راوی (اعمش) کہتا ہے کہ حضرت صادق علیہ السّلام نے فرمایا تھا کہ یہ حدیث از جملہ علوم و اسرار مخفی کے ہے جب تک اسکے سُننے کے لائق کوئی نہ ملے اسکو روایت نہ کرنا۔

"چوں حسینؑ بن علیؑ شہید شد ملائکہ فرود آمدند و آنحضرتؐ را بآسمان بردند تا او را بصورت علیؑ در آسمان پنجم فرود داشتند الخ" ایضاً صفحہ ۲۷۴

۹۔ امام حسین علیہ السلام سے مروی ہے کہ میں نے اپنے جدّ امجد رسول صلعم سے سُنا کہ شب معراج میں نے ایک فرشتہ کو دیکھا۔ کہ اسکے ہاتھ میں ایک نور کی تلوار ہے۔ اور اس سے کھیل کرتا ہے۔ جیسے کہ جناب علی علیہ السّلام موقعہ جنگ میں ذوالفقار کے ساتھ کھیلتے تھے۔ اور ملائکہ کو جب آنجنابؑ کی زیارت کا شوق دامنگیر ہوتا۔ اس فرشتہ کی طرف دیکھ لیتے تھے۔ میں نے عرض کی پروردگار! یہ میرا چچیرا بھائی علی بن ابی طالب ہے؟ حق تعالیٰ نے آواز دی کہ اے محمدؐ یہ فرشتہ ہے جسکو میں نے علیؑ کی صورت پر پیدا کیا کہ عرش کے بیچ میں میری عبادت کرتا ہے اور اسکی نیکیوں اور تقدیس و تسبیح کا ثواب قیامت تک علیؑ بن ابی طالب کے لئے ہے۔

"حق تعالیٰ ندا کرد کہ یا محمدؐ ایں ملکے است کہ بر صورت علیؑ آفریدہ ام کہ در میان عرش مرا عبادت میکند الخ" ایضاً صفحہ ۲۸۴

۱۰۔ شیخ طوسی نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ شب معراج کے ذکر میں آنحضرت صلعم نے جناب علیؑ کو فرمایا۔ کہ ملائکہ نے ہر آسمان پر میرا استقبال کیا اور بڑی خوش خبریاں سُنائیں۔ یہاں تک کہ جبرئیل بہت سے فرشتوں کے ساتھ ملاقی ہوئے۔ اور کہا کہ اگر آپکی اُمت علیؑ کی محبت پر ہو جاتی تو خدا جہنم کو پیدا ہی نہ کرتا۔ اے علیؑ سچ سچ خدا نے سات موقعوں پر تم کو میرے ساتھ حاضر فرمایا۔ جس سے میرا تم سے اُنس ہو گیا۔

اوّل۔ جس رات مجھے آسمان پر لے گئے جبرئیل نے کہا اے محمدؐ! آپکے بھائی علی کہاں ہیں؟ میں نے کہا انکو میں زمین پر چھوڑ آیا۔ اس نے کہا آپ دُعا کریں کہ خدا اسکو تمھارے واسطے لے آئے۔ جونہی میں نے دعا کی تمھاری شکل اپنے ساتھ دکھائی دی۔ وغیرہ وغیرہ۔ "چوں دعا کردم مثال ترا با خود دیدم" صفحہ ۲۸۸

دوم۔ دوسری دفعہ جب مجھے عرش پر لے گئے۔ جبرئیل نے کہا اے محمدؐ! آپکے بھائیؑ کہاں ہیں؟ میں نے کہا انکو زمین پر چھوڑ آیا ہوں۔ کہا دعا مانگئے۔ کہ انکو آپکے پاس ہی پہنچا دے۔ جب میں نے دعا کی تو دیکھا کہ تمھاری سی شکل میرے ساتھ ہو گئی ہے ساتوں آسمانوں کے پردے میری آنکھوں سے اُٹھا دیئے گئے جس سے سب آسمانوں کے فرشتے اور ہر ایک فرشتہ کا مقام جو آسمان میں مقرر تھا میں نے دیکھ لیا۔ اور سب کو تم نے بھی مشاہدہ کر لیا۔

و ہمہ را تو نیز مشاہدہ نمودی" الخ ایضاً صفحہ ۲۸۸

سوم۔ جب خدا نے مجھے جنوں پر مبعوث کیا۔ جبرئیل نے کہا آپکے بھائی کہاں ہیں؟ میں نے کہا انکو میں ان کے ساتھ اپنی جگہ پر چھوڑ آیا ہوں اور جو کچھ انہوں نے کہا تھا۔ وہ سب تم نے سُنا اور حفظ کر لیا۔

"وقتیکہ حق تعالیٰ مرا بر جن مبعوث گردانید جبرئیل گفت برادر تو کجاست" ایضاً صفحہ ۲۸۸

چہارم۔ خدائے تعالیٰ نے مجھے لیلۃ القدر کے ساتھ مخصوص کیا۔ اور تم کو اُسمیں میرا شریک بنایا۔

پنجم۔ جب میں نے باری تعالیٰ سے ملاء اعلیٰ میں مناجات کی تمہاری شکل میرے ساتھ ہو گئی۔ پس جو بھی کرامت تمہارے لئے میں نے مانگی خدا نے تم کو عطا فرما دی سوائے پیغمبری کے۔ جسکے بارہ میں اس نے فرمایا ہُوا ہے کہ تمہارے پیچھے کوئی پیغمبر نہیں ہوگا

"پس برائے تو از خدا ہر کرا۔ کہ سوال کردم ہمہ را بتو عطا کرد بغیر از پیغمبری کہ گفت بعد از تو پیغمبرے نخواہد باشد" ایضاً صفحہ ۲۸۸

ششم۔ جب میں نے بیت المعمور کا طواف کیا۔ تمہاری شکل میرے ساتھ تھی اور جب پیغمبروں نے میرے پیچھے نماز پڑھی تو تیری شکل میرے

ہفتم۔ جب رجعت (قبل از قیامت) میں کافروں کو ہلاک کرنیکے لئے میں دنیا میں لوٹ کر آؤنگا اے علیؑ! تم میرے ہمراہ ہوگے۔ خدا نے سب جہان کے آدمیوں پر مجھکو فضیلت دی ہے، اور میرے پیچھے تم کو اُنپر فضیلت دی ہے۔

"در ہنگام رجعت کہ گروہ کافراں را ہلاک گردانم تو با من خواہی بود یا علیؑ الخ ایضاً صفحہ ۲۸۸

۱۱۔ سید ابن طاؤس نے بسند معتبر جناب علیؑ سے روایت کی ہے۔ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ایک رات میں حجرہ اسمٰعیل میں سویا ہُوا تھا۔ کہ اچانک جبرئیل آئے۔ اور جگا کر براق پر سوار کرایا۔ جب عقبہ میں پہنچا۔ ایک مرد کو دیکھا کھڑا ہُوا ہے جس کے سر کے بال ہاتھوں تک پہنچے ہوئے تھے۔ اس نے سلام کہا۔ جسکے جواب میں حسب ہدایت جبرئیل سلام کہا گیا۔ جب عقبہ کے بیچ میں پہنچا۔ تو ایک سفید بالوں والے مرد کو دیکھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے سلام کہا۔ جسطرح کہ پہلے مرد نے کہا تھا۔ اور میں نے بھی جبرئیل سے اجازت لینے کے بغیر ہی سلام کا جواب دیدیا۔ "پس سہ مرتبہ گفت یا محمدؐ نگاہدار حرمت وصیّ خود علیؑ بن ابیطالب کہ مقرب پروردگار است وامین است بر حوض کوثر و صاحبِ شفاعت بہشت است" ایضاً صفحہ ۲۸۹ پھر اس نے تین دفعہ کہا اے محمدؐ اپنے وصی علیؑ بن ابیطالب کی حُرمت کا خیال رہے کیونکہ وہ خدا کا مقرب ہے اور حوض کوثر پر امین ہے اور بہشت کیلئے شفیع ہے ××××

حق تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ جب میرے پاس آئے تھے تو کس کو اپنا جانشین بنایا تھا؟ میں نے کہا کہ اسکو جسے تو مجھ سے بہتر جانتا ہے، اپنے بھائی اور چچا زاد کو۔ اسپر آواز آئی کہ مجھے اپنے عزت وجلال کی قسم ہے کہ جبتک اسکی امامت وولایت پر اعتقاد نہ ہو چاہیے کوئی میری توحید پر ایمان لائے یا تیری پیغمبری پر ایمان لائے میں قبول نہیں کرتا اے محمدؐ! تو چاہتا ہے کہ اُسے ملکوت آسمان میں دیکھے۔ میں نے کہا ہاں پھر آواز آئی اے محمدؐ! سر اونچا کرو۔ جب دیکھا تو علیؑ کو ملاء اعلیٰ میں ملائکہ مقربین کے ساتھ دیکھا۔ اور اُنکے دیکھنے سے خوش وخورسند ہُوا۔ اور میں نے کہا پروردگارا میری آنکھیں روشن ہو گئیں۔ پھر آواز آئی کہ علیؑ کے بارہ میں تمہارے ساتھ ایک عہد کرتا ہوں۔ پس اس عہد کو سُنو میں نے کہا۔ بار الٰہا۔ وہ کون سا عہد ہے؟ فرمایا کہ علیؑ راہ ہدایت

کا نشانہ ہے۔ اور امام الابرار اور قاتلِ کفار اور آئمہ مطیعوں کا پیشوا ہے ××× پس اسکو اے محمدؐ ان بشارتوں کے ساتھ خوشخبری دو۔
پھر حوض کوثر کے ملاحظہ کے بعد چند آدمیوں کو دیکھا۔ کہ انکو جہنم میں لئے جاتے ہیں جنکی بابت جبرئیل نے بتلایا کہ یہ پانچ طرح کے
لوگ ہیں۔ سُنّی۔ جبری۔ خارجی۔ بنی اُمیہ۔ اور دشمنان ائمہ اہلبیتؑ کرام۔ ان پانچوں کو اسلام سے کچھ بہرہ نصیب نہیں ×××
پھر مَیں نے خدا کا شکر کیا کہ علیؑ کے بارہ میں مجھ کو ایک امر بزرگ عطا فرمایا ہے۔ پھر جبرئیل نے میرے دریافت کرنے پر بتلایا۔ کہ پہلا شخص
جو عقبہ پر ملاقی ہوا تھا۔ آپکے بھائی موسیٰؑ بن عمران تھے۔ اور جو عقبہ کے بیچ میں دوچار ہوئے تھے وہ آپکے بھائی عیسیٰؑ ابن مریم تھے۔ جنہوں نے علیؑ
کے بارہ میں آپکو وصیت کی تھی۔ اور جو بیت المقدس میں تھے۔ وہ آپکے باپ آدم تھے۔ جنہوں نے علیؑ ابن ابیطالب کے بارہ میں وصیت کی تھی
اور آپکو خبر دی تھی کہ وہ مومنوں کے بادشاہ ہیں۔

جب صبح ہوئی۔ تو رسولِ خدا صلعم نے علیؑ کو طلب کیا اور کہا کہ اے علیؑ تم کو بشارت دیتا ہوں کہ تیرے بھائی موسیٰؑ اور تیری بھائی عیسیٰؑ
اور تیرے باپ آدمؑ سب نے مجھ سے تمھاری سفارش کی اور تم کو سلام دیا۔ اور اسپر جناب علیؑ رو پڑے۔ اور کہا کہ خدا کا شکر کرتا ہوں
کہ مجھ کو اپنے پیغمبروں میں بھی نامدار فرمایا۔ پھر حضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ تجھے اور بھی بشارت سُناؤں کہ جب مَیں نے اپنے پروردگار
کے عرش معلی کی طرف دیکھا۔ اور تیری صورت کو اسجگہ جلوہ گر دیکھا۔ اور میرے خدا نے تمھارے بارے میں مجھ سے بڑے عہد لئے۔ اے
علیؑ! سب ملاءِ اعلیٰ والے تمھارے حق میں دعا کرتے ہیں۔ اور عالم بالا کے برگزیدہ لوگ اپنے پروردگار سے التدعا کرتے ہیں۔ کہ اجازت
ملے تو تمھاری طرف نظر کریں اور تم شفیع ہوگے جبکہ اُمتیں جہنم کے کناری پر کھڑی ہوئی ہونگی"۔
"یا علیؑ ساکنان ملاء اعلیٰ ہمہ ہا دعا مے کنند از برائے تو الخ ایضاً صفحہ ۲۹۸

۱۲ بسند معتبر ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ فرمایا آنحضرت صلعم نے کہ مَیں جس آسمان سے بھی گذرا ملائکہ نے علیؑ بن ابیطالب
کی احوال پرسی کی اور کہا کہ اے محمدؐ کہ جب دنیا میں لوٹ کر جائیں تو علیؑ اور اسکے شیعوں کو ہمارا اسلام کہہ دیجیگا۔ یہانتک
کہ حریم خاص اور خلوت خانہ قدس میں پہنچا۔ تو اپنے پروردگار سے مناجات کی۔ اور جو کچھ مَیں نے اپنے اور علیؑ کے واسطے مانگا
سبھی مجھکو عطا فرمایا۔ اور علیؑ کے دوستوں اور شیعوں کے واسطے شفاعت کا وعدہ دیا۔ پھر خداوند کریم نے آواز دی کہ اے
محمدؐ کس کو مخلوق میں سے دوست رکھتے ہو۔ مَیں نے کہا کہ اے میرے پروردگار جسکو تو دوست رکھتا ہے۔ اسکو مَیں بھی دوست
رکھتا ہوں۔ اسپر آواز آئی کہ علیؑ کو دوست رکھ۔ کہ مَیں اسکو دوست رکھتا ہوں اور جو اسکو دوست رکھے اسکو بھی دوست رکھتا
ہوں۔ مَیں سجدہ میں گر گیا۔ اور تقدیس اور شکر خدا بجا لایا۔ پھر آواز آئی کہ اے محمدؐ علیؑ میرا ولی ہے اور میرے بعد میری مخلوق میں سے
برگزیدہ ہے۔ مَیں نے پسند کیا ہے کہ وہ تیرا بھائی اور وصی اور وزیر اور برگزیدہ و جانشین ہو۔ اور میرے آسمان پر تیرا مددگار
بنے۔ اے محمدؐ! مَیں اپنی عزت و جلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو ظالم علیؑ سے دشمنی کریگا مَیں ضرور اسکے ٹکڑے کر دونگا۔
اور جو دشمن علیؑ سے مقابلہ کریگا مَیں اسکو بھگا دونگا۔ اور ہلاک کر دونگا۔ ×× پس اسکو اپنا بھائی وصی اور خلیفہ
بنانا۔ ××× اے محمدؐ! تو میرا رسول ہے سب خلق کی طرف۔ اور علیؑ میرا ولی اور امیر مومنان ہے اور اس اعتقاد پر

میں نے سب ملائکہ پیغمبروں اور سب مخلوق کو جبکہ عالم ارواح میں تھے پیدائش زمین و آسمان سے پیشتر گواہ بکڑا ہے۔ بباعث اس محبت کے جو مجھے تیرے اور علیؑ اور تمہاری فرزندوں اور شیعوں کے ساتھ ہے۔ اور تمہارے شیعوں کو میں نے تمہارے خمیر سے پیدا کیا ہے۔ ××× مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم اگر تو نہ ہوتا تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا اور اگر علیؑ نہ ہوتا تو بہشت کو پیدا نہ کرتا۔ ××× تم کو اور علیؑ کو بہشت و دوزخ میں حاکم بناؤں گا۔ تمہارے دشمن بہشت میں داخل نہ ہونگے۔ اور تمہارے دوست جہنم میں نہ جائینگے۔ اور میں نے اپنی ذات مقدس کی قسم کھائی ہے کہ ایسا کرونگا۔ پس میں لوٹا اور ہر حجاب سے نکلتے ہوئے اپنے پیچھے سے آواز سنتا تھا کہ اے محمدؐ! علیؑ کو دوست رکھیو! اے محمدؐ! علیؑ کو معزز رکھیو۔ اے محمدؐ! علیؑ کو مقدم رکھیو! اے محمدؐ! علیؑ کو اپنا خلیفہ و وصی اور بھائی بنائیو! اے محمدؐ! دوست رکھیو اسکو جو علیؑ کو دوست رکھے! اے محمدؐ! علیؑ اور اسکے شیعوں کے حق میں تم کو وصیت کرتا ہوں۔ جب ملائکہ کے پاس پہنچا تو آسمانوں میں مجھ کو مبارکباد کہتے تھے۔ اُن کرامتوں پر جو خدا نے مجھ کو اور علیؑ کو عطا فرمائیں۔

"پس برگشتم و از ہر حجاب کہ بیروں آمدم از عقب خود ندائے شنیدم کہ یا محمدؐ دوستدار علیؑ را۔ یا محمدؐ گرامی دار علیؑ را۔ یا محمدؐ مقدم دار علیؑ را۔ یا محمدؐ خلیفہ و وصی و برادر خود گرداں علیؑ را" الخ ایضاً صـ ۲۹۲

۱۳۔ شیخ طوسی نے بسند معتبر ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول خدا صلعم نے کہ خدا نے مجھ کو پانچ فضیلتیں عطا فرمائیں۔ اسی طرح پانچ علیؑ کو بھی عطا فرمائیں۔ ××× اگر مجھ کو آسمان پر لے گئے۔ تو آسمان کے دروازے اور حجاب اُسپر کھول دیئے۔ یہاں تک کہ وہ میری دیکھ رہے تھے اور میں اسکی طرف ××× پھر اس نے میرے ساتھ باتیں کیں اور میں نے اسکے ساتھ۔ اور میرے پروردگار نے میرے ساتھ باتیں کیں۔ ×× کہ اے محمدؐ میں نے علیؑ کو تیرا وصی اور تیرا وزیر اور تیرا خلیفہ بنایا تیرے بعد۔ اسکا اعلان کردو کیونکہ تیری بھی بات کو سنتا ہے۔ پس میں نے اسی وقت جبکہ بارگاہ ایزدی میں کھڑا ہوا تھا۔ جو کچھ امر فرمایا میں نے علیؑ سے کہدیا اور علیؑ نے جواب میں کہا کہ میں نے قبول کیا اور فرمانبردار ہونگا پس خدا نے ملائکہ کو حکم دیا کہ علیؑ پر سلام کہیں سب نے سلام کہا اور علیؑ نے اُنکے جواب میں سلام کہا۔ اور میں نے ملائکہ کو دیکھا کہ سلام کا جواب سنکر خوشیاں منا رہے تھے اور سب نے مجھکو مبارکباد دی۔ حاملان عرش کو بھی اجازت ملی کہ علیؑ کو دیکھ لیں جب میں زمین پر آیا جو کچھ میں نے دیکھا تھا علیؑ مجھ کو تبلاتے جاتے تھے جس سے اس نے بھی سب کچھ دیکھا بھالا تھا۔

اور امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے، کہ حضرت صلعم نے نماز عشا زمین پر ادا کی تھی اور پھر آسمانوں کی طرف چڑھ گئے تھے اور صبح سے پہلے زمین پر لوٹ کر آگئے۔ اور صبح کی نماز زمین میں ادا فرمائی۔ "چوں بزمین آمدم آنچہ دیدہ بودم علی مرا خبر میداد الخ ×× حضرت رسولؐ نماز خفتن را در زمین کردہ و بر ملکوت عروج نمودہ۔ پیش از صبح بزمین برگشت و نماز صبح را در زمین ادا کرد۔ ایضاً صـ ۲۸۷

۱۴۔ شب معراج میں جو گفت و شنید مابین حق تعالیٰ و رسول صلعم ہوئی۔ وہ بھی علیؑ کے لب لہجہ میں ہی ہوئی تا کہ خاطر عاطر نبوی مطمئن ہے "بصدا و لغت علیؑ با تو سخن گفتم تا دل تو مطمئن گردد" ایضاً صـ ۲۸۷ ابراہیمؑ نے دعا مانگی یا اللہ مجھ کو بھی شیعیان علیؑ میں داخل کردو۔ اسپر جبرئیل یہ آیت لیکر آئے وان من شیعتہ لابراھیم۔ مجمع البحرین زیر لفظ شیع صـ ۳۸۶

یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی پانچ تاریخ قادیان دارالامان ضلع گورداسپور پنجاب سے شائع ہوتا ہے

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۷۹

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ

دنیا کے مذاہب پر ناقدانہ نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

یعنی

ریویو آف ریلیجنز
اردو رسالہ

ایڈیٹر۔ قاضی محمد ظہور الدین اکمل

نمبر (۸) | اگست ۱۹۲۶ء مطابق محرم الحرام ۱۳۴۵ھ | جلد (۲۵)

فہرست مضامین

مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں منشی عبدالرحمٰن کشمیری قادیانی پرنٹر و پبلشر نے چھاپ کر قادیان سے شائع کیا۔

اطلاع ضروری

تشحیذ الاذہان کے اور الفضل و ریویو آف ریلیجنز اردو کے گذشتہ و حال کے مضامین کو تجارتی اغراض سے شائع کرنیکی کسی صاحب کو اجازت نہیں یعنی کسی صاحب کو انہیں قیمتاً فروخت کرنے کے لئے چھاپنے کی اجازت نہیں جبتک کہ محکمہ متعلقہ سے باضابطہ اجازت حاصل نہ کرلیں ورنہ حرجانہ کے ذمہ وار ہونگے۔ فتح محمد سیال ناظر دعوۃ و تبلیغ

انا للہ و انا الیہ راجعون

عا۔ رپورٹ ناظر اعلیٰ کہ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم مغفور جو سابقین اولین میں سے تھے۔ اور جماعت احمدیہ کے ایک نہایت مخلص اور رفیع فرد تھے۔ اور انہوں نے سلسلہ عالیہ احمدیہ کی بہت قابل قدر خدمات سر انجام دی ہیں۔ انکی وفات پر مجلس معتمدین (جسکے وہ قدیم ممبر تھے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نامزد کردہ ممبر تھے) اور مقامی مجلس شوریٰ دلی رنج و غم کا اظہار کرتی ہے۔ اور ان کے پس ماندگان کے ساتھ پوری پوری ہمدردی رکھتی ہے ؛ ناظر اعلیٰ نصر اللہ خان۔ قادیان ؛

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے دو مکتوب

مخلوق کی قدامت نوعی کے متعلق

قدامت مادہ کے متعلق جو آپنے سوال کیا ہے۔ اس کے متعلق میری رائے تو یہی ہے کہ یہ سارا سوال محدود اور غیر محدود کے لفظ سے پیدا ہوتا ہے انسانی دماغ کسی صورت میں محدود اور غیر محدود دونو میں سے کسی ایک کو بھی سمجھ نہیں سکتا حالانکہ بظاہر عقل انسانی ہمیں یہی بتاتی ہے کہ دنیا یا محدود ہونی چاہیئے یا غیر محدود۔ بظاہر کا لفظ اس لئے کہتا ہوں کہ میرے نزدیک اس سارے سوال کا حل اس امر کے تسلیم کرنے سے ہو سکتا ہے کہ ہم یہ تسلیم کرلیں کہ محدود اور غیر محدود کا مفہوم جو انسانی دماغ نے سمجھا ہے وہ غلط ہے یا یہ کہ محدود اور غیر محدود کا مفہوم انسانی دماغ میں آسکتا ہی نہیں۔ پس اس سوال پر کسی تفصیل کے ساتھ بحث کرنی یہ ایسا ہی امر ہے جیسا کہ اُردو میں مثل مشہور ہے نہ سوت نہ کپاس کولی سے لٹھم لٹھا وہ مواد جس کی موجودگی کے بغیر اس مسئلہ پر بحث ہی نہیں ہو سکتی جبکہ وہ موجود ہی نہیں تو اس معاملہ میں بال کی کھال اُتارنا اپنے اوقات کا ضیاع اور دوسروں کے خیالات کی پریشانی کا ہی موجب ہو سکتا ہے۔ میرے نزدیک جو بات بہرحال ثابت ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور بہرحال اسکی صفت احدیت مخلوق سے مقدم ہے اس سے زیادہ تفصیل ایسے میدانوں میں لے جاتی ہے جن کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ عقلی بحثیں کہلا سکتی ہیں جن کا فائدہ وقتی دلچسپی سے زیادہ اور کچھ نہیں نکل سکتا۔ ہاں اگر آپ اس سوال کے متعلق زیادہ زور دیں تو میری رائے یہی ہے اور میرا میلان اس طرف ہے کہ اگر خلق کا سلسلہ ہمیشہ سے چلا آئے تو اس میں کوئی حرج نہیں واقع ہوتا۔ باقی خلق کے معنی یہ کرنا کہ اس سے وہ مادہ مراد ہے جو موجود ہے یا اس قسم کے انسان جو آجکل موجود ہیں یہ خود عقل کے خلاف ہے میرے نزدیک دنیا کی بناوٹ کو دیکھتے ہوئے یہ بالکل نہیں کہا جا سکتا کہ انسان مختلف

دَوروں میں یا یہی مادہ مختلف شکلوں میں ہمیشہ سے چلا آیا ہے جو آپکے دل میں شبہ پیدا ہُوا ہے وہ اس بُنیاد پر پیدا ہُوا ہے کہ اس صورت میں درحقیقت مادے کو ازلی ماننا پڑتا ہے میں کہتا ہوں کہ مادہ خود ایک خیالی وجود ہے ہمیں دنیا میں جس قسم کی چیز نظر آتی ہے ہم سمجھتے ہیں کہ اسکے سوا اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا میں تو ایک آن واحد کے لئے بھی نہیں مان سکتا کہ مادے اور روح کے سوا جو دو چیزیں ہمارے تجربہ نے ہمارے ذہنوں کے سامنے کر دی ہیں اور کسی قسم کی مخلوق نہیں۔ ہم مجبوراً مادی اور غیر مادی کا لفظ استعمال کرتے ہیں ہم مجبوراً جسم اور غیر جسم کا لفظ استعمال کرتے ہیں کیونکہ ہمارے تجربہ اور ہمارے علم میں اسکے سوا اور کچھ نہیں آیا ورنہ اللہ تعالیٰ کی قوتوں اور طاقتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میرے نزدیک جسم یا روح یا مادے یا روح میں مخلوق کو محدود کرنا نادانی ہے۔ اگر ہم کوئی لفظ ان چیزوں کے لئے استعمال کر سکتے ہیں جنکا امکان ہماری عقل تجویز کرتی ہے لیکن جن کی حقیقت کو ہمارا ذہن حاضر نہیں کر سکتا وہ صرف ایک ہی لفظ ہے وہ مخلوق کا لفظ ہے کہ خالق اور مخلوق ان دو لفظوں کو تسلیم کرتے ہوئے یہ عقیدہ رکھیں کہ ہمارے ذہن میں آنیوالے لفظ محدود کی کیفیات کے اثر سے غیر متأثر ہوتے ہوئے ایک مخلوق خالق سے تعلق رکھتی چلی آئی ہے تو اسپر ہرگز کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں پیدا ہوتا لفظ مخلوق کامل طور پر ان تمام شبہات کا ازالہ کر دیتا ہے جو شبہات کہ نوعی قدامت کے الفاظ سے پیدا ہوتے ہیں اس طرح یہ کہنا کہ ہم مخلوق کو اس حد بندی سے جو لفظ محدود کی ہمارے ذہن نے قائم کی ہوئی ہے بالا سمجھتے ہیں اس سے ہرگز وہ خرابی پیدا نہیں ہوتی جو قدامت کے الفاظ سے پیدا ہوتی ہے۔

میرے نزدیک مادے کی پیدائش کے متعلق ...صاحب کا خیال اور آپکا خیال دونو غلط ہیں جہاں تک میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کی تحریروں کو سمجھا ہے نہ انسے وہ مفہوم نکلتا ہے جو ...صاحب نے بیان کیا ہے اور نہ وہ مفہوم نکلتا ہے جو آپ بیان کرتے ہیں میرے نزدیک آپ دونو صاحبان خشک فلسفہ کی طرف چلے گئے ہیں اور ان میدانوں میں قدم ڈالا ہے جنکے سمجھنے کی اہلیت نہ آپ رکھتے ہیں نہ کوئی اور انسان رکھتا ہے۔ دونو کے عقیدوں کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اسلام کے بہت اہم مسائل پر بڑی خطرناک زد پڑتی ہے ہاں بحیثیت مجموعی میں اس عقیدہ کو جو ...صاحب نے بیان کیا ہے زیادہ حقیقت پر مبنی سمجھتا ہوں بہ نسبت اسکے کہ جسکو آپ بیان کرتے ہیں لیکن کلی طور پر صحیح نہیں سمجھتا میرے نزدیک انسے بھی غلطی ہوئی ہے کہ جس میدان کے وہ اہل نہ تھے اسمیں وہ کود پڑے ہیں۔

یہ بالکل درست ہے کہ باپ اور بیٹا کبھی ہم عمر نہیں ہو سکتے۔ اس میں آپسے بالکل متفق ہوں لیکن

میرے نزدیک یہ مثال اس مسئلہ پر چسپاں نہیں ہوتی۔ میرے نزدیک جو شخص یہ کہتا ہے کہ جب سے خدا ہے تب سے مخلوق ہے وہ ظاہر فریب الفاظ کے دھوکے میں مبتلا ہے جب اور تب تو محدودیت پر دلالت کرتے ہیں۔ جو یہ کہتا ہے کہ جب سے خدا ہے تب سے مخلوق ہے وہ دوسرے لفظوں میں یہ کہتا ہے کہ خدا تعالےٰ بھی ایک محدود زمانہ سے ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ مخلوق بھی خدا تعالیٰ کی طرح غیر محدود ہے میرے نزدیک وہ بھی غلطی کرتا ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت وہ خدا تعالیٰ کی خالقیت کا انکار کرتا ہے لیکن جو شخص یہ کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے فلاں وقت سے مخلوق کا پیدا کرنا شروع کیا ہے وہ بھی خدا کی صفات کو محدود کرتا ہے کیونکہ اسکے معنی بھی یہی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی ایک طرف حد لگاتا ہے اور جس چیز کی ایک طرف حد ہو وہ دوسری طرف بھی محدود ہوتی ہے یہ سارے دھوکے اس بات سے پیدا ہوتے ہیں کہ لوگ خدا کی خدائی کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں، اگر وہ خدا پر اسکی خدائی کو چھوڑ دیتے اور انسانی دائرے میں اپنے آپکو محدود دیکھتے تو کبھی ٹھوکر نہ کھاتے یا اگر کبھی ٹھوکر لگتی بھی تو وہ ایسی نہ ہوتی جو انکے اور دوسروں کے لئے گمراہی کا موجب ہو جاتی۔ میرے نزدیک ہم خلق مادہ پر بالکل ہی اور نئے نگاہ سے غور کر سکتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے کبھی توفیق دے تو اسکے متعلق مضمون لکھوں۔ تاکہ جوگیوں کی لڑائی میں کھپروں کا نقصان نہ ہو لیکن مجھے فرصت اسقدر کم ملتی ہے کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ میرا ارادہ کب پورا ہو سکیگا۔ فی الحال میں اتنا ہی کہنا کافی سمجھتا ہوں کہ نہ آپکی رائے صحیح ہے نہ ..... صاحب کی میرے نزدیک انکی زیادہ صحیح ہے اور آپکی کم صحیح ہے۔

مرزا محمود احمد

احمدیت مغربی لٹریچر میں

مسلم ورلڈ کا خاص نامہ نگار لکھتا ہے کہ جنگ عظیم اہل مشرق کی تعلیم کا بہت بھاری ذریعہ ثابت ہوئی ہے مسلم افواج کی کامیابی نے تمام اسلامی دنیا کی آنکھیں کھول دی ہیں اس لڑائی نے انہیں بعض خوابوں کا دیکھنا سکھایا ہے (یعنی مستقبل کے متعلق یہ سوچنا کہ ہمیں آیندہ کیا کرنا چاہیئے) اور بعض خوابوں پر عمل کرنے کے قابل بنایا ہے۔

قدامت پسند مسلمان آجکل نہایت سرگرمی سے مسیح کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔ اور امامیہ شیعہ اپنے آخری امام کی رجعت کی صبح نمودار ہونے کے منتظر ہیں۔

نئے اسلام کے پیرو اسلامی قوموں کی کھوئی ہوئی شان کی واپسی کے لئے چشم براہ ہیں اور

احمدی اپنے بانی سلسلہ کی پیشگوئیوں کی اشاعت کر رہے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:-

وہ دن بہت قریب آرہے ہیں جبکہ وہ مذہب جس کی میں تعلیم دے رہا ہوں صرف وہی مذہب روئے ارض پر عزت کی نگاہ سے دیکھا جائیگا - اور بادشاہ میرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے -

ایڈیٹر:- یہ پیشگوئی حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنہ ۱۳۰۲ھ میں فرمائی تھی یعنی بارہ سال جنگ عظیم سے پیشتر جب کہ دور اندیش سے دور اندیش مدبر بھی اس آنیوالے عذاب کے متعلق کچھ خیال نہیں کرسکتا۔

عقیدۂ عیسائیت میں انقلاب

عیسائیت کا دوسرا بڑا عقیدہ تو یہ تھا - کہ مسیح خدا کا اوتار ہے - اور خدا اس میں ہے - اور وہ الوہیت کا ایک اقنوم ہے - اور ابدی ازلی خدا ہے - لیکن جدیدین کہتے ہیں - کہ یہ بات محالات سے ہے - کہ خدا صرف ایک مسیح میں ظاہر ہو - اور نسل - انسانی کے دیگر افراد میں ظاہر نہ ہو -

ہمارا تیسرا عقیدہ الوہیت مسیح کا ہے - ہمارے خداوند کی ذات ابدی ازلی ابن اللہی کی حقیقت لفظاً اور معناً ہے - لیکن جدیدین کا عقیدہ ہے - کہ ہمیں اس قسم کے عقیدہ الوہیت مسیح کو چھوڑ دینا چاہئیے - وہ کہتے ہیں - کہ خود مسیح اس امر کا قائل ہے - کہ ہر انسان میں ربانی جوہر ہے - جس سے مراد یہ ہے - کہ ہر ایک انسان ربانی رنگ سب اپنے اندر رکھتا ہے - مسیح ایک انسان ہے - اور اسی لئے اسکے اندر ربانی امور ہیں - یہ وہ بات ہے - جو اسے بنی نوع کی حیثیت میں حاصل ہوتی ہے ÷

جدیدین کی گذشتہ کانفرنس اگست سنہ ۱۹۲۵ء میں منعقد ہوئی تو عیسائیت کا سنگ بنیاد یہ کہ انسان بالطبع گنہگار ہے - گناہ اسکی سرشت میں ہے - اسلئے وہ سزا کا مستحق ہے - خدا کی محبت اس سزا کے عوض کفارہ چاہتی ہے - اس آخری کانفرنس نے اس عقیدہ کا بھی خاتمہ کر دیا - اور یہ فیصلہ کیا کہ انسان اپنی فطرت میں مکمل اور بے گناہ پیدا ہوتا ہے ÷

عیسائی اخبار (چرچ ٹائمز) اشاعت ۲۹ر جنوری میں لکھتا ہے:-

"اگر ان (مسیحی) جدیدین کے معتقدات محمد (صلعم) کے آگے پیش کیے جائیں - وہ کہدیں گے - کہ یہ تو ہوبہو وہی باتیں اور وہی عقائد ہیں - جو میں نے تعلیم کیئے"

(اشاعت اسلام)

مراق کی اصل حقیقت کا انکشاف

انبیاء علیہم السلام کی شخصیت میں اللہ تعالیٰ کچھ ایسی تاثیر رکھ دیتا ہے۔ اور ان کی بعثت کے ساتھ ملائکہ کے ذریعہ قبولیت کی ایک ایسی رو چلتی ہے۔ جس سے دنیا میں ایک عالمگیر زلزلہ (دری ایکشن) بپا ہو جاتا ہے۔ اور مخالف اور موافق دونوں کی توجہ ان کی طرف لگ جاتی ہے۔ چنانچہ دو گروہ اپنے اپنے رنگ میں اس کا ثبوت دیتے ہیں۔ ایک گروہ تعلق قائم کر کے روحانی فیوض اور برکات سے بہرہ اندوز ہوتا ہے۔ اور دوسرا سخت مخالفت کے رنگ میں اس کا ثبوت دیتا ہے۔

انبیاء کی قوّت قدسی کا اثر

جہاں ماننے والے صدق و صفا۔ سعادت اور جانثاری کے بے نظیر نمونے دکھاتے ہیں۔ وہاں مخالفین بھی اعتراضوں میں وہ غضب ڈھلتے ہیں کہ توبہ ہی بھلی۔ چنانچہ ہر طبقہ۔ ہر مذاق۔ ہر علم اور ہر فن کے ماہر اپنے اپنے رنگ میں اعتراض کرتے ہیں۔ مولوی کہلانے والوں نے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام پر اعتراض کیئے ہی تھے۔ (اور وہ بیچارے بہت حد تک معذور بھی تھے) مگر اس میدان میں اطبّاء اور حکماء کا طبقہ بھی پیچھے نہ رہا۔ اور ایک اعتراض انہوں نے بھی کر ہی دیا۔ تاکہ وہ بھی مکذّبین کی قدیم سُنّت کو پورا کرنے والے ہو جائیں۔ حضرت صاحبؑ کی بعض تحریروں سے جن میں انہوں نے مراق کا ذکر کیا ہے۔ بعض غیر احمدی اطبّا نے اگر جہالت سے نہیں۔ تو محض ضد اور تعصّب کی وجہ سے یہ غلط استدلال کیا ہے۔

اطباء کا حضرت صاحبؑ پر ایک اعتراض

کہ ان کو (نعوذ باللہ) مالیخولیا۔ ہسٹیریا۔ یا مرگی کا مرض تھا۔ اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ ان امراض میں مریض کو اپنے خیالات اور جذبات پر قابو نہیں رہتا۔ اور تخیّل بڑھ جاتا ہے (یہاں تک کہ بعض دفعہ مجنون لوگوں کی بات پیشگوئی کی طرح پوری بھی ہو جاتی ہے) اسلئے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ان کو (نعوذ باللہ) حدیث النفس تھا۔ اور شیطانی الہام ہوتے تھے۔ ہمیں اس بات پر حیرانی نہیں کہ حکماء جیسے فہیم اور متین اور سنجیدہ طبقہ نے بغیر کافی تدبّر اور غور کے کیوں ایسا لغو اور بے بنیاد اعتراض کیا۔ کیونکہ یہ انبیاء علیہم السّلام کی قدیم سے سُنّت ہے۔ کہ ان کے مخالف سوچتے کم ہیں۔ ہمارے سردار حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر بھی یورپ کے بعض فلسفیوں اور ڈاکٹروں نے اسی قسم کے اعتراض کیئے ہیں۔ چنانچہ میکڈانلڈ امریکہ کے مشہور سائیکالوجسٹ نے لکھا ہے کہ محمّد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو (نعوذ باللہ) مرگی کا مرض

عیسائی ڈاکٹروں کا حضرت نبی کریمؐ پر وہی اعتراض

تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب پہلی وحی ہوئی تو ڈر گیا۔ اور بھاگا بھاگا اپنی بیوی کے پاس آیا کہ مجھ کو کمبل اڑھا دو۔ مجھے سردی لگتی ہے۔ ڈر لگتا ہے۔ بھوت نظر آتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ پس یہ ضرور تھا کہ جو اعتراض آقا پر ہوئے تھے۔ وہی اعتراض غلام پر بھی دہرائے جاتے۔ تاکہ ہر رنگ میں مسیح موعودؑ حضرت نبی کریمؐ کا کامل بروز اور ظل ہو سکے۔ ہم پنجاب کے اطبّا کے مشکور ہیں۔ کہ انہوں نے امریکہ کے ڈاکٹر میکڈانلڈ کی سُنّت کو پورا کر دیا۔

تشریح مراق ازروئے طبّ

حضرت صاحبؑ نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ مجھ کو مراق ہے۔ مگر جہاں تک مجھ کو علم ہے۔ انہوں نے اس کی تفصیل یا علامات کی تشریح نہیں فرمائی۔ "یونانی میں مراق اس پردے کا نام ہے۔ جو احشاء الصدر کو احشاء البطن سے جدا کرتا ہے۔ اور معدہ کے نیچے واقع ہوتا ہے۔ اور فعل تنفس میں کام آتا ہے۔ پرانے سوء ہضم کی وجہ سے اس پردے میں تشنج سا ہو جاتا ہے۔ بدہضمی اور اسہال بھی اس مرض میں پائے جاتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس مرض میں تخیّل بڑھ جاتا ہے اور مرگی اور ہسٹیریا والوں کی طرح مریض کو اپنے جذبات اور خیالات پر قابو نہیں رہتا۔" یہ تو امر واقع ہے کہ حضرت صاحب کو بدہضمی۔ اسہال اور دوران سر کی عموماً شکایت رہتی تھی۔ مگر اس سے یہ استدلال کہ انکو مرگی یا ہسٹیریا کا مرض تھا۔ بالکل غلط ہے۔ لوگ چونکہ بالعموم امراض کے اسباب اور علامات سے واقف نہیں ہوتے اس لئے جب کوئی علامت کسی مریض میں دیکھتے ہیں۔ تو اسکو فوراً کسی مرض کی طرف منسوب کر دیتے ہیں حالانکہ یہ طریق تشخیص امراض کے اصول کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ ایک خاص علامت کئی امراض میں پائی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ریویو انگریزی میں اس کا ترجمہ ہسٹیریا کیا گیا ہے۔ مگر وہ ہمارے لئے حجّت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ریویو کے ایڈیٹر مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ کوئی ڈاکٹر یا حکیم نہ تھے۔ کہ مراق کے مترادف صحیح ڈاکٹری اصطلاح معلوم کر لیتے۔ انہوں نے عام محاورہ کے مطابق اس کا ترجمہ ہسٹیریا کر دیا جس کی بعد میں تردید نہ ہو سکی۔

حکماء کے اس اعتراض کی غرض

غیر احمدی اطبّاء کا حضرت صاحبؑ کی تحریر سے یہ استدلال کہ ان کو مرگی یا مالیخولیا تھا۔ یا تو انکے ناقص علم کی وجہ سے ہے۔ یا پھر محض ضد اور تعصّب کا نتیجہ ہے۔ یوں تو دنیا میں امراض ہوا ہی کرتی ہیں۔ مگر مرگی اور ہسٹیریا کو حضرت صاحبؑ کی طرف منسوب کرنے میں ان لوگوں کی ایک خاص غرض ہے۔ اور وہ یہ کہ حضرت صاحب کے الہاموں کو کسی طرح حدیث النفس۔ یا شیطانی ثابت کریں (چنانچہ میکڈانلڈ کی غرض بھی نبی کریم صلعم کی طرف مرگی کو منسوب کرنے کی یہی تھی)، ایک مدّعی الہام کے متعلق اگر یہ ثابت ہو جائے۔ کہ اسکو ہسٹیریا۔ مالیخولیا مرگی کا مرض

تھا۔ تو اسکے دعویٰ کی تردید کے لئے پھر کسی اور ضرب کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ یہ ایسی چوٹ ہے جو اس کی صداقت کی عمارت کو بیخ و بُن سے اکھیڑ دیتی ہے۔

مَیں غیر احمدی اطباء کی (جنہوں نے یہ اعتراض کیا ہے) نیّت پر حملہ نہیں کرتا۔ ممکن ہے کہ وہ غلطی خوردہ ہوں۔ یا انکا علم ناقص ہو۔ کیونکہ یونانی طبابت کی کتابوں میں بعض امراض کے ناموں۔ اور انکو مختلف بابوں میں تقسیم کرنے کا احسن طریق پر انتظام نہیں۔ اور یہ امر بھی بہت مشکل۔ کیونکہ جب تک امراض کے اسباب وغیرہ کا پورا علم نہ ہو۔ اس وقت تک اس کا صحیح نام اور تشخیص نہیں ہو سکتی۔ اسکے علاوہ ایک

مراق ایک علامت ہے نہ کہ مستقل مرض

اور مشکل یہ ہے کہ یونانی میں بعض علامات کو بھی مرض قرار دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے دھوکا لگ جاتا ہے۔ چنانچہ مراق بھی ان میں سے ایک ہے یہ درحقیقت ایک علامت ہے نہ کہ مستقل مرض۔ ڈاکٹری میں اس امر کا خوب خیال رکھا جاتا ہے۔ کہ علامات کو امراض سے الگ رکھا جائے۔ اور انکے نام۔ اور مختلف بابوں میں تقسیم کرنے میں کافی احتیاط کی جائے۔

ایک علامت کا نام مرض نہیں ہوتا۔ اور صرف ایک علامت سے کسی خاص مرض کا استدلال (جب تک اس خاص مرض کی باقی علامات بھی اسکے ساتھ نہ ہوں) سراسر جہالت ہوتا ہے کیونکہ کوئی خاص علامت کئی امراض میں ہو سکتی ہے۔ مثال کے طور پر بیہوشی کو لے لو۔ اب بیہوشی ایک علامت ہے۔ جو ان امراض میں پائی جاتی ہے۔ شراب نوشی۔ مرگی (Sun stroke) سن سٹروک۔ افیم کا زہر۔ گردوں کا مرض (یوریمیا) ذیابیطس۔ سرسام۔ اور دماغ کی شریان پھٹ جانے سے سر میں اجتماع خون وغیرہ اب ہم صرف بے ہوشی کی علامت سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ مریض نے شراب پی لی ہے۔ یا اسکو افیون دیگئی ہے۔ بلکہ اصل سبب معلوم کرنے کے لئے ہم کو باقی علامات بھی دیکھنی ہونگی۔ اسی طرح مثلاً اسہال ہے۔ اسہال کا ہونا ایک علامت ہے۔ اور یہ کسی مرض کا نام نہیں اب یہ علامت مثلاً معمولی بدہضمی۔ یا قبض سے ہو سکتی ہے۔ بعض دفعہ ہیضہ یا سنکھیا کھانے سے بھی

ایک علامت کئی امراض میں ہو سکتی ہے

اسہال ہوتے ہیں۔ پھر اسہال۔ تپ محرقہ اسہالی۔ اور تپ دق میں بھی ہوتے ہیں۔ تو کیا صرف ایک علامت اسہال دیکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کو زہر دیگئی ہے۔ یا اسے تپ دق ہے۔ طبیب کی شان کے بالکل خلاف ہے کہ وہ بغیر معائنہ کرنے اور بغیر غور و تحقیق کرنے کے ایک آدمی کو گلی میں بیہوش پڑا ہوا دیکھ کر کہہ دے کہ اس نے شراب پی ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اسکو ذیابیطس یا کوئی اور مرض ہو۔ یا مثلاً اسہال کی علامت دیکھ کر یہ نتیجہ نکال لیا جائے۔ کہ مریض کو ہیضہ ہوا ہے۔ حضرت صاحبؑ کی وفات پر بھی جو اسہال سے ہوئی تھی بعض جاہل لوگوں نے یہ مشہور کر دیا

کہ انکو ہیضہ ہوا تھا۔ عوام الناس اگر اس غلطی میں پڑیں تو وہ کسی حد تک معذور ہیں۔ مگر علم طب کے ماہر کو ان جلد بازیوں سے احتراز لازمی ہے۔ مرض مراق کے متعلق بھی بعض اطباء اس دھوکے کا شکار ہو گئے اور انہوں نے ایک علامت کو مرض قرار دیدیا۔ پس یاد رکھو اور خوب یاد رکھو کہ مراق کسی مرض کا نام نہیں بلکہ ایک علامت ہے۔ جو کئی امراض میں پائی جاتی ہے۔ اور اصل سبب معلوم کرنے کے لئے اس علامت کے تمام اسباب کی چھان بین کرنی ضروری ہے۔

تشریح مراق از روئے طب جدید مراق کا دوسرا نام عربی میں جمود ہے۔ اور انگریزی میں اس علامت کو Catalepsy یا قاتالیپسی کہتے ہیں۔ یہ لفظ بعض علامات کو مجموعی طور پر پکارنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور اس میں تعیین بڑی علامات پائی جاتی ہیں۔ یعنی بازو اچانک بالکل سُن ہو جاتا ہے۔ اور جہاں رکھا ہو وہیں پڑا رہتا ہے۔ یعنی اس میں اپنے ارادہ سے حرکت دینے کی طاقت نہیں رہتی۔ بازو بعض دفعہ تشنج ہو کر سخت ہو جاتا ہے۔ اور بعض دفعہ نرم رہتا ہے۔ دل کی حرکت کمزور ہو جاتی ہے نبض سست ہو جاتی ہے۔ سانس مدھم پڑ جاتا ہے۔ اور سخت ضعف ہو جاتا ہے۔ بالعموم اس کا حملہ اچانک ہو جاتا ہے۔ مگر بعض دفعہ سر درد اور متلی وغیرہ پہلے شروع ہو جاتی ہے۔ اور دَورہ چند سیکنڈ سے ایک گھنٹہ یا ایک ہفتہ تک رہ سکتا ہے۔ اسکے بعد حالت درست ہو جاتی ہے۔ درمیانی وقفہ میں مریض بالکل تندرست ہوتا ہے۔ ہوش و حواس بالکل درست رہتے ہیں۔ (سوائے اُن مریضوں کے جن میں مرگی کی وجہ سے مراق کی علامات ہوں) اور مریض کو اپنی حالت کا پورا پورا علم ہوتا ہے۔

کن امراض میں مراقی علامت دیکھی جاتی ہے یہ علامت کئی امراض میں دیکھی گئی ہے۔ مگر مندرجہ ذیل امراض میں بالخصوص پائی جاتی ہے۔ مرگی۔ ہسٹیریا (اختناق الرحم)۔ اُمّ الصبیان (Tetany) کزاز (Tetanus)، سکتہ۔ سخت عصبی ضعف وغیرہ۔ اس سے احباب معلوم کر سکتے ہیں کہ بعض علامات کے مجموعہ (مراق) کو مرگی یا ہسٹیریا قرار دینا کہاں تک درست ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ مرگی اور ہسٹیریا میں مراق کی علامات پائی جاتی ہیں۔ مگر یہ کہنا ہرگز درست نہیں کہ ہر مراقی کو مرگی یا ہسٹیریا کا مرض ہوتا ہے۔

مراق کے اسباب مراق کا اوّل۔ حقیقی اور سب سے بڑا سبب ورثہ میں ملا ہوا طبعی میلان اور عصبی کمزوری ہے۔ عصبی امراض کے متعلق یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ یہ ہمیشہ ورثہ میں ملتی ہیں۔ اور لمبے عرصہ تک خاندان میں چلتی ہیں۔ دوسرا سبب مراق کا غذا کی کمی ہے۔ اسی طرح قبض۔ سوء ہضم چمونے۔ پیٹ کے کیڑے (ملیپ)۔ جذبات (مثلاً خوف۔ اخلاقی صدمہ۔ غم۔ فکر۔ نفرت۔ غصہ وغیرہ)۔ دماغی پھوڑا۔ زہر۔ گردوں کا مرض۔ تپ دق۔ کثرت دماغی محنت۔ تفکرات۔ قوم کا غم اور اصلاح کی فکر

اور تجرد بھی اس علامت کے مختلف اسباب ہیں۔

تشخیص الامراض کے اصول کے مطابق کسی شخص کا مرض معلوم کرنے کے لئے اسکے حالات اور سب علامات کا مطالعہ کرنا پڑیگا۔ اور پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ ان مختلف اسباب میں سے کونسا سبب مریض کی علامات مرض کا باعث ہے۔ اور وہ مرض معلوم کرنے کے لئے جس کی وجہ سے کوئی خاص علامت اس میں پائی جاتی ہو۔ یہ بھی دیکھنا ہوگا آیا کہ اس مرض کی دیگر علامات بھی اسکے ساتھ ہیں یا نہیں۔

حضرت صاحبؑ کو کونسا مرض تھا

میں یہ بتا چکا ہوں کہ مراق کی علامت مرگی ہسٹیریا۔ کزاز سکتہ اور بھی ضعف وغیرہ امراض میں پائی جاتی۔ اصل مرض کی تشخیص کرنے کے لئے اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت صاحبؑ میں مراقی علامات کے علاوہ اور کس مرض کی علامات موجود تھیں۔ ہم کو خوب معلوم ہے کہ ان میں مرض مرگی کی علامات نہ تھیں۔ اور نہ ہی کبھی ان کو ہسٹیریا کا دورہ ہوا تھا۔ اسی طرح مرض کزاز اور سکتہ کا بھی نام و نشان نہ تھا۔ کیونکہ ان چاروں امراض میں بیہوشی کم و بیش ایک لازمی جزو ہے۔ جو حضرت صاحبؑ کو مراق کے دورہ میں کبھی نہ ہوئی تھی۔ پس معلوم ہوا کہ صرف ایک ہی مرض تھا جس کی وجہ سے ان میں مراق کی علامات نمودار ہوتی تھیں۔ اور وہ مرض انتہائی اعصابی ضعف تھا۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اس ضعف کا باعث کیا تھا۔ تو اسکے لئے ہم پھر مراق کے اسباب کی فہرست دیکھتے ہیں۔

حضرت صاحبؑ کے مراق کا کیا سبب تھا؟

مراق کا سب سے بڑا سبب موروثی میلان طبع ہے۔ مگر حضرت صاحبؑ کے خاندان میں ہم کو عصبی امراض کا نام و نشان نہیں ملتا۔ حضرت صاحبؑ کے والد۔ دادا۔ پڑدادا غرضیکہ تمام خاندان کی طبی تاریخ کی ورق گردانی کر جاؤ۔ عصبی امراض کا کہیں ذکر تک نہ پاؤ گے۔ بلکہ حضرت صاحبؑ کے والد صاحب کے متعلق لکھا ہے۔ کہ وہ اسقدر توانا اور باہمت تھے کہ بستر مرگ پر پڑے ہوئے بھی خود اٹھ کر رفع حاجت کے لئے جاتے تھے۔ اور جب تیماردار اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھاتے تو خفا ہو کر کہتے میں کوئی اتنا کمزور ہو گیا ہوں کہ خود نہ اٹھ سکوں۔ اور لکھا ہے کہ موت کے غرغرہ کے وقت انہوں نے کلام کیا (ہم نے کبھی کسی شخص کو موت کے غرغرہ کے وقت کلام کرتے نہیں سنا)۔ پس معلوم ہوا کہ مرض مراق حضرت صاحب کو ورثہ میں نہیں ملا۔ پس حضرت صاحب کی زندگی کے حالات کے مطالعہ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان میں مراقی علامات کے دو بڑے سبب تھے۔ اول۔ کثرت دماغی محنت۔ تفکرات۔ قوم کا غم اور اس کی اصلاح کی فکر۔ دوسرے۔ غذا کی بے قاعدگی کی وجہ سے سوء ہضم اور اسہال کی شکایت۔ حضرت صاحب اکثر وقت دماغی کام

کثرت دماغی کام اور غذا میں بے قاعدگی

(تحریر۔ تقریر۔ تصنیف۔ وعظ وغیرہ) میں لگے رہتے تھے

تقریر و تحریر کا کام کرنے والوں کو خوب معلوم ہے کہ چند منٹوں کی تقریر یا چند صفحوں کی تصنیف کے لئے کتنا دماغ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ مگر حضرت صاحبؑ کے سامنے تو تمام دنیا کے مخالف تھے۔ جن کا علمی رنگ میں مقابلہ تھا۔ اور قلمی جہاد کرنا تھا۔ جن لوگوں کو حضرت صاحبؑ کی مصروفیت کا عینی مشاہدہ ہے۔ وہ میرے اس بیان کو مبالغہ پر مبنی نہ سمجھینگے۔ کہ حضرت صاحبؑ نے جسقدر کام اپنی زندگی میں کیا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ بیس آدمی بھی ملکر اتنا کام نہ کر سکتے تھے۔ اوّل تو تقریر و تحریر کے کام میں ہی بہت سی دماغی طاقت خرچ ہو جاتی ہے۔ مگر ساتھ اسکے ان کو قوم کا غم اور اسکی اصلاح

قوم کی اصلاح کا غم کا فکر دن رات لگا رہتا تھا۔ جس سے دماغ کو سخت ضعف ہو جاتا تھا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی قوم کی اصلاح کا بہت غم تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جو قلب کی کیفیّت کو خوب جاننے والا ہے انکے غم اور فکر کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ لعلّک باخع نفسک الّا یکونوا مؤمنین۔ حضرت احمد نبی اللہ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے یہی الفاظ استعمال کیئے ہیں۔ اور اس الہام میں انکے غم اور فکر کا نقشہ دکھایا ہے۔

اس کثرت کام کی وجہ سے غذا میں بھی بے پرہیزی ہو جاتی تھی۔ کیونکہ کھانا وقت پر نہ کھا سکتے تھے۔ چنانچہ حضرت صاحبؑ اکثر دفعہ صبح کا کھانا ایک دو بجے کھاتے تھے۔ اور بعض اوقات ۱۰ بجے کھانا کھا کر کام شروع کر دیتے تھے۔ غرض کام کی کثرت کی وجہ سے غذا میں بے قاعدگی اکثر رہتی تھی۔ جس کا لازمی نتیجہ سوء ہضم اور اسہال کی شکایت تھی۔ اور بجائے جسم کو طاقت ملنے اور دماغی ضعف دور ہونیکے بدہضمی کی وجہ سے ضعف زیادہ ہوتا تھا۔ پس ثابت ہوا کہ مراق کا مرض حضرت صاحبؑ میں موروثی نہ تھا۔ بلکہ یہ خارجی اثرات کے ماتحت پیدا ہوا تھا اور اس کا باعث سخت دماغی محنت۔ تفکّرات۔ غم اور سوء ہضم تھا۔ جس کا نتیجہ دماغی ضعف تھا۔ اور جس کا اظہار مراق اور دیگر ضعف کی علامات مثلاً دوران سر کے ذریعہ ہوتا تھا۔

شرافت۔ دیانت اور طبّی پیشہ کے وقار اور اخلاق کا یہ تقاضا تھا کہ ہمارے پنجابی اطبا حضرت صاحبؑ کے مراق کی علامات کو مرگی اور ہسٹیریا پر حمل نہ کرتے۔ بلکہ وہ تشخیص الامراض کے اصول کے ماتحت مراق کی علامات کا سبب اور مرض معلوم کرنے کی کوشش کرتے جس کے باعث یہ علامت ان میں پائی جاتی تھی مگر افسوس کہ انہوں نے اس معاملہ میں جلد بازی کی۔ اور تدبّر اور غور سے (جو طبیب کی سب سے بڑھ کر خوبی ہے) کام نہیں لیا۔ مگر یہ سب ضد۔ تعصّب اور حق کی مخالفت کا نتیجہ تھا۔ کہ ان لوگوں نے ہمیشہ کے لئے اپنی نالائقی پر اپنے ہاتھ سے مہر لگا دی۔